قرآنی حقائق بیان کرنے والا

تعلیمی، تربیتی اور تبلیغی مجلّہ

الفرقان

ستمبر ۱۹۷۱ء

اشتراک
ستان — سات روپے
نی ممالک بحری ڈاک — ایک پونڈ
بی ممالک ہوائی ڈاک — دو پونڈ

مدیر مسئول
ابو العطاء جالندھری

مکتبہ الفرقان کی نہایت مفید کتابیں

(۱) **تفہیمات ربانیہ :** جس میں مخالفین سلسلہ کے جملہ اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں صرف چند نسخے باقی ہیں ۔
(حجم ۸۵۰ صفحات سفید کاغذ تیرہ روپے)

(۲) **تحریری مناظرہ :** عیسائی پادری عبدالحق صاحب اور سلسلہ احمدیہ کے مناظر **(تردید عیسائیت)** کے درمیان الوہیت مسیح پر تحریری مناظرہ ہے جس میں دوسرے پرچہ کے بعد ہی پادری صاحب لاجواب ہو کر عاجز آ گئے ۔ قابل مطالعہ ہے ۔
(قیمت ڈیڑھ روپیہ)

(۳) **بہائی شریعت پر تبصرہ :** بہائیوں کی اصل شریعت مع اردو ترجمہ و تبصرہ
(قیمت ڈیڑھ روپیہ)

(۴) **کلمۃ الحق :** خلافت راشدہ پر تحریری مناظرہ جس میں اہلسنت والجماعت کی طرف سے حضرت حافظ روشن علی صاحب رض مناظر تھے۔ (قیمت پچھتر پیسے)

(۵) **القول المبین فی تفسیر خاتم النبیین :** جناب مودودی صاحب کے رسالہ کا مکمل لاجواب جواب ہے ۔ (حجم ۲۵۰ صفحات قیمت دو روپے)

(۶) **مباحثہ مصر** (انگریزی) : عیسائی پادریوں سے احمدی مبلغ کا شاندار مناظرہ
(قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے)

(۷) **نبراس المومنین :** رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۰۰ احادیث کا سلیس ترجمہ و تشریح ۔ (قیمت صرف پچاس پیسے)

(۸) **کلمۃ الیقین :** ختم نبوت کی مختصر صحیح تشریح ۔ (قیمت صرف بارہ پیسے)

(۹) **الفرقان کا درویشان قادیان نمبر :** (رعائتی قیمت پچھتر پیسے)

(۱۰) **ماہنامہ الفرقان کے سالانہ مجلد مکمل فائل ۱۹٦۴ء تا ۱۹۷۰ء تک**
(ہر سال کے علیحدہ علیحدہ) (قیمت ہر مجلد نو روپے)

نوٹ : محصول ڈاک خریدار کے ذمہ ہوتا ہے ۔

مینجر مکتبہ الفرقان ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۲۱ | ماہنامہ الفرقان ربوہ | رجب وشعبان ۱۳۹۱ ہجری قمری
شمارہ ۹ | ستمبر ۱۹۷۱ء | تبوک ۱۳۵۰ ہجری شمسی

تعلیمی و تبلیغی مجلہ

الفرقان ربوہ

سالانہ اشتراک

پاکستان — — — سات روپے
بیرونی ممالک - بحری ڈاک — ایک پاؤنڈ
بیرونی ممالک - ہوائی ڈاک — دو پاؤنڈ
قیمت فی پرچہ ——— ستر پیسے

معاونین خاص کی تحریک

پنجسالہ معاونینِ خاص کے لئے دعا کی تحریک کی جاتی ہے اور انہیں رسالہ بھی باقاعدہ پانچ سال تک پہنچتا رہتا ہے۔ ایسے خریداروں کو وی پی وغیرہ وصول کرنے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی انہیں صرف ایک مرتبہ چالیس روپے ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس سے رسالہ کے معاونین میں ان کا شمار ہو جاتا ہے۔

آپ کب معاونین میں شامل ہوں گے؟

——— (مینجر)

الفہرست

• قابلِ صد مذمت قاتلانہ حملہ — ایڈیٹر — ص۲
• دو ضروری نوٹ — // — ص۳
• حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی لاجواب تحریر — ص۴
• سلطان ابن سعود مرحوم کا ایک منصفانہ فیصلہ — ص۶
• افکارِ تازہ (نظم) جناب عبدالسلام صاحب اختر ایم اے — ص۸
• سب سے پہلے عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے کا اعلان کس نے کیا؟ (ایک علمی تحقیقی مقالہ)
جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور — ص۹
• البیان (سورہ المائدہ ع ۱۲ کا سلیس ترجمہ مختصر تفسیری نوٹوں کے ساتھ) ابوالعطاء — ص۲۹
• حضرت نوحؑ کی عمر اور قرآن حکیم ———
محترم جناب شیخ عبدالقادر صاحب لاہور — ص۳۲
• کشف المحجوب کے حوالہ کے بارے میں ———
جناب ڈاکٹر محمد اسحٰق صاحب خلیل سوئٹزرلینڈ — ص۴۰
• سید عطاء اللہ شاہ بخاری
"جن کی خطابت نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا" (منقول از نوائے وقت) — ص۴۲
• سفر کوئٹہ اور شکریۂ احباب — ص۴۷

اداریہ

صدرِ مملکت کے اقتصادی مشیر جناب ایم ایم احمدؐ پر قابلِ صد مذمّت قاتلانہ حملہ

صدرِ پاکستان کے اقتصادی مشیر محترم جناب صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب (ایم۔ ایم۔ احمد) پر اس ہفتہ ایک ظالم نے نہایت سفاکانہ قاتلانہ حملہ کیا۔ یہ حملہ آپ پر اس وقت کیا گیا جبکہ محترم جناب صدرِ مملکت آغا محمد یحییٰ خان صاحب ملک سے باہر دَورہ کے لئے ایران تشریف لے گئے تھے اور محترم صاحبزادہ ایم ایم احمد صاحب بطور قائم مقام صدرِ پاکستان کام کر رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اس حملہ کو ناکام کر دیا اور ملکی و ملّی مفاد کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچنے سے بچا لیا۔ حملہ آور جو اپنا نام محمد اسلم قریشی بتاتا ہے پولیس کی حراست میں ہے ہمیں یقین ہے کہ حکومت کے ہوشیار کارندے اس اہم ترین ملکی حادثہ کی پوری پوری تحقیق کر کے مجرموں کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچانے میں کوئی دریغ نہ کریں گے۔

یہ سانحہ تمام درد مند پاکستانیوں کو اس بات کے لئے دعوتِ فکر دیتا ہے کہ وہ اس قسم کے ظالمانہ حملوں کے سدِ باب کے لئے مستقل انتظام کریں۔ صاحبزادہ ایم ایم احمد پاکستان کے بہترین خادموں میں سے ہیں۔ جنہوں نے اپنی ساری جوانی اور اپنی تمام آسائشیں اہلِ ملک کی بہبودی کے لئے صرف کر دی ہیں اور دنیا بھر میں پاکستان کا نام روشن کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اگر اس ملک میں ایسے بے لوث خادموں کی زندگی پر بھی دن دہاڑے دارالسلطنت میں قاتلانہ حملہ ہو سکتا ہے تو پھر اس ملک میں باقی کون محفوظ رہے گا۔

ہم پُرزور الفاظ میں قاتلانہ حملہ کی مذمّت کرتے ہیں اور دردِ دل سے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کو جلد صحتِ کاملہ عطا فرمائے، انہیں لمبی اور فعال زندگی عطا فرمائے اور ان کو ملک و ملّت کی بیش از بیش خدمات سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یا ربّ العالمین ✦ ابوالعطاء ۲۱/۹/۷۱

ایڈیٹر کے دو ضروری نوٹ

(۱) عربی زبان کو اُمّ الالسنہ پہلے کس نے پیش کیا؟

ماہنامہ الفرقان کے اس شمارہ میں ایک نہایت قیمتی، علمی اور تحقیقی مقالہ حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر امیر جماعتہائے احمدیہ لائلپور کے قلم سے شائع ہو رہا ہے جس میں آپ نے ثابت فرمایا ہے کہ عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے کا اعلان سب سے پہلے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ مضمون بہت جامع ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ۱۹۳۳/۱۹۳۴ء میں جبکہ میں قاہرہ میں تھا۔ ایک دن مجھے الاستاذ منیر آفندی الحصنی المحترم کی معیّت میں مصر کے مشہور ادیب جناب الدکتور زکی مبارک صاحب سے ملنے کا موقعہ ملا۔ ان کی کتاب النثر الفنی کے ذکر پر میں نے عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے کا تذکرہ کیا تو ڈاکٹر صاحب موصوف فوراً بولے کہ مستشرقین اس نظریّہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ میں نے النثر الفنی کے دیباچہ میں سے ڈاکٹر صاحب کے اپنے الفاظ کی طرف توجہ دلائی کہ تحقیقی امور میں ریسیرچ اسلئے آگے نہیں بڑھتی کہ لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص اس بات کو نہیں مانتا۔ ڈاکٹر صاحب اس جواب سے محظوظ ہوئے اور پھر انہوں نے اس کے بعد پوری توجہ سے ہماری گفتگو کو سُنا۔ میں نے انہیں بتایا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اعلان فرمایا ہے کہ عربی زبان اُمّ الالسنہ ہے اس کے لئے آپ نے انعام بھی مقرر فرمایا ہے ایک کتاب منن الرحمٰن میں اپنے اس دعوے کے دلائل بھی قلمبند فرمائے ہیں۔ ساری گفتگو کو سُن کر ڈاکٹر زکی مبارک صاحب مرحوم بے ساختہ پکار اُٹھے کہ یہ دعویٰ اتنا عظیم ہے کہ صرف اس ایک بات کے ثابت ہو جانے سے ان کی نبوّت ثابت ہو سکتی ہے۔ اس سے عیاں ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے علم کے مطابق بھی کسی اور شخص نے عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔

(۲) سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا ذکر

اس شمارہ کے صفحہ ۴۴ پر روزنامہ نوائے وقت لاہور کا ایک مدلّل مقالہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بارے میں نقل ہو رہا ہے۔ احباب اس مقالہ کو مطالعہ کر کے معلوم کر سکیں گے کہ احراری تحریک اور خاص طور پر سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے پاکستان کو کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ اس مقالہ میں عبرت کے بہت سے سامان ہیں +

مسئلہ وفات مسیح

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کی ایک لاجواب تحریر

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۹۰۵ء میں اپنے دہلی کے قیام کے دوران علماء دہلی کو یہ تحریر پیش کی تھی ——— (مدیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

وجوہ مفصلہ ذیل ہیں جن کی رُو سے مَیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فوت شدہ قرار دیتا ہوں۔

(۱) قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ آیات ہیں۔ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ ۔ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ۔ اِن آیات کے معنے صحیح بخاری کتاب التفسیر میں لکھے ہیں۔ جیسا کہ اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے لکھا ہے مُتَوَفِّیْکَ مُمِیْتُکَ۔ اور پھر تظاہر آیات کے لئے فلمّا توفّیتنی کا اِس جگہ ذکر کیا اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بھی ذکر کیا ہے کہ مَیں قیامت کے دن یہی عرض کروں گا کہ یہ لوگ میری وفات کے بعد بگڑے ہیں جیسا کہ لکھا ہے کما قال العبد الصالح۔ الخ

(۲) دوسری دلیل توفّی کے ان معنوں پر جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں لغت عرب کی کتابیں ہیں۔ میں نے جہاں تک ممکن تھا قریباً تمام شائع شدہ کتابیں لغت کی دیکھی ہیں جیسے قاموس، تاج العروس، صراح، صحاح جوہری، لسان العرب اور وہ کتابیں جو حال میں بیروت میں تالیف کر کے عیسائیوں نے شائع کی ہیں ان تمام کتابوں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ محاورہ عرب اسی طرح پر ہے کہ جب کسی جملہ میں خدا تعالیٰ فاعل ہو اور کوئی عَلَم انسان مفعول بہٖ ہو جیسا کہ توفّی اللّٰہ زیداً تو ایسی صورت میں بجز اماتت اور قبض روح اور کوئی معنے نہیں ہوتے اور جو شخص اس سے انکار کرے اس پر لازم ہے کہ اس کے برخلاف لغت کی کتابوں سے کوئی نظیر مخالف پیش کرے۔

(۳) مَیں نے بہت محنت اور کوشش سے جہاں تک میرے لئے ممکن تھا صحاح ستہ وغیرہ حدیث کی کتابیں غور سے دیکھی ہیں اور مَیں نے کسی ایک جگہ پر بھی توفّی کے معنے بجز وفات دینے کے حدیث میں نہیں پائے بلکہ تین سو کے قریب ایسی جگہ پائی ہیں جہاں ہر جگہ موت دینے کے ہی معنے ہیں۔

(۴) میں نے جہاں تک میرے لئے ممکن تھا عرب کے مختلف دیوان بھی دیکھے ہیں۔ مگر نہ میں نے جاہلیت کے زمانہ کے شعراء اور نہ اسلام کے زمانہ کے مستند شعراء کے کلام میں کوئی ایسا فقرہ پایا ہے کہ ایسی صورت میں جو اوپر بیان کی گئی ہے بجز وفات دینے کے کوئی اور معنے ہوں۔

(۵) شاہ ولی اللہ صاحب کی الفوز الکبیر میں بھی یہی لکھا ہے کہ مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ۔ اور میں جانتا ہوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب بڑے پایہ کے محدث اور فقیہہ اور عالم فاضل تھے۔

(۶) حدیث معراج میں جو بخاری میں موجود ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فوت شدہ انبیاء میں دیکھا تھا۔ پس اس جگہ دو شہادتیں ہیں ایک خدا تعالیٰ کی شہادت قرآن شریف میں اور دوسری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت لیلۃ المعراج میں۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ کنز العمال و طبرانی اور ما ثبت فی السُّنّۃ میں شیخ عبدالحق وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی عمر ایک سو پچیس برس کی تھی اور ایک روایت میں ایک سو بیس برس بھی ہے اور ہزاروں برس کی عمر کسی جگہ نہیں لکھی۔

(۸) جو صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہوا وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر دلیل قاطع ہے جو اس آیت کی رُو سے اجماع تھا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔

(۹) ماسوائے اس کے خدا تعالیٰ نے اپنی وحی قطعی صحیح سے بار بار میرے پر ظاہر کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور اپنے کھلے کھلے نشانوں سے میری سچائی ظاہر فرمائی ہے۔ اسی طرح اور بہت سے دلائل ہیں مگر اسقدر کافی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت قرآن شریف اور حدیث اور اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے اور سورۂ نور سے ثابت ہے کہ اس اُمت کے کُل خلفاء اسی اُمت میں سے آئیں گے اور صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ آنیوالا عیسیٰ اسی اُمت میں سے ہوگا جیسا کہ لکھا ہے کہ اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ بلکہ صحیح بخاری میں پہلے مسیح کا اور حلیہ لکھا ہے اور آنیوالے مسیح کا اور حلیہ لکھا ہے۔ ماسوائے اسکے میرا آنا بے وقت نہیں۔ صدی جس کے سر پر آنا تھا تیئیس برس اس میں سے گزر گئے۔ کسوف و خسوف بھی رمضان میں ہو گیا۔ طاعون بھی پیدا ہو گئی۔ ایک نئی سواری یعنی ریل بھی پیدا ہو گئی اور خدا تعالیٰ نے دس ہزار سے زیادہ نشان میرے ہاتھ پر ظاہر فرمائے ہیں اور ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اسلام کی زندگی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت میں ہے اگر آج یہ امر عیسائیوں پر ثابت ہو کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے تو وہ سب کے سب عیسائی مذہب کو ترک کر دیں۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

۲۹ اکتوبر ۱۹۰۵ء بمقام دہلی۔

(ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۲۱۱ تا ۳۱۲)

سلطان ابن سعود کا ایک منصفانہ فیصلہ

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے روزِ اوّل سے اپنی جماعت کو ارکانِ اسلام کا پابند فرمایا۔ حضورؑ نے ارشاد فرمایا کہ:-

"اپنی پنجوقتہ نمازوں کو ایسے خوف اور حضور سے ادا کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہو۔ اور اپنے روزوں کو خدا کے لئے صدق کے ساتھ پورے کرو۔ ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔" (کشتی نوح صہ ۲۱)

جوں جوں احبابِ جماعت کو استطاعتِ حج نصیب ہوتی گئی وہ حج کو جاتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر سال جا رہے ہیں۔

علماء کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ وہ یہاں اور وہاں زور لگا رہے ہیں کہ وہ احمدیوں کو حج سے روکیں اور وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کا مصداق بنیں۔ اس موقعہ پر اخبار صدق جدید لکھنؤ کا ذیل کا اقتباس خاص توجہ کے قابل ہے۔ لکھا ہے:-

"اسی قسم کا واقعہ شاہ فیصل کے والد مرحوم سلطان ابن سعود کے زمانہ میں بھی پیش آیا تھا۔ حجرہ نشین مولویوں نے مرحوم سے کہا کہ چونکہ قادیانی مسلمان نہیں ہیں اسلئے انہیں حجاز مقدس سے نکال دیا جائے۔ مرحوم نے مولوی صاحبان سے پوچھا کہ قادیانی حج کو اسلام کا رکن اور اس کا فرض سمجھتے ہیں یا نہیں؟ جواب میں انہیں یہ کہتے ہی بنی کہ یہ لوگ حج کو فرض سمجھتے ہیں۔ اس پر مرحوم نے فرمایا کہ جو شخص حج کی فرضیت کا قائل ہے اور اسے اسلام کا ایک اہم رکن سمجھتا ہے اسے حج سے روکنے کا مجھے حق نہیں۔" (صدق جدید ۱۹ راگست سنہ ۱۹۶۵ء)

اس معقول اور منصفانہ فیصلہ پر علماء کو خاموش ہو جانا چاہیئے تھا۔ اگر وہ کسی وجہ سے خاموش نہیں ہو سکتے تو سعودی حکومت کا بہرحال فرض ہے کہ اپنے بانیٔ سلطنت کے فیصلہ کی پابندی کرے +

افکارِ تازہ

(رشحاتِ قلم جناب چودھری عبد السلام صاحب اختر ایم اے)

نہ سمجھو ساغرِ ایماں مئے عرفاں سے خالی ہے
سعادت آج بھی کچھ بندگانِ حق نے پالی ہے

تیرے دل میں اگر جلوہ نُما۔ رُوحِ بلالیؓ ہے
تو تجھ پر گردشِ افلاک کا ہر وار خالی ہے

ادا فطرت کی ہر جانب۔ ہر اک صورت نرالی ہے
کہیں کھیتوں پہ سبزہ ہے۔ کہیں پھُولوں پہ لالی ہے

عطائے بیکراں سے مطمئن دستِ سوالی ہے
بہاراں غنچہ غنچہ ہے۔ گلستاں ڈالی ڈالی ہے

میری ارضِ وطن کا پیشتر بھی تھا وہی حافظ
میری ارضِ وطن کا آج بھی اللہ۔ والی ہے

مجھے اِس دَور میں اندیشۂ سُود و زیاں کیوں ہو
مری فطرت حجازی ہے۔ میرا پرچم ہلالی ہے

دُعا دیں۔ مجھ کو اپنی سرفرازی ڈھونڈنے والے
کہ مَیں نے خُوئے تسلیم و رضا کی طرح ڈالی ہے

وگرنہ اِس جہاں میں دیکھنے والوں نے دیکھا ہے
"کہ ہمت جس کی عالی ہے اُسی کا جام خالی ہے"

سرزمین قادیان کا اوّلین دواخانہ

جسے ۱۹۱۱ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے اپنے مبارک ہاتھوں قائم فرمایا

دوائی خاص زنانہ امراض کا واحد علاج دوا ونس کی قیمت چھ روپے	قدیمی ـــ اوّلین ـــ مشہور آفاق **حبّ اٹھرا رجسٹرڈ** مکمل کورس بیس روپے	**زدجام عشق** طاقت کی لاثانی دوا قیمت ۶۰ گولی سولہ روپے
حبّ مفید النساء بے قاعدگی کا بہترین علاج پانچ روپے	**ہمارا اصول** • صاف ستھرے اجزاء • دیانتدارانہ دوا سازی • عمدہ پیکنگ • غریبانہ قیمت • مخلصانہ مشورہ اور اسی اصول کے تحت ۱۹۱۱ء سے آپ کی خدمت کرتے چلے آرہے ہیں	**نرینہ اولاد گولیاں** انعام خداوندی قیمت فی کورس پندرہ روپے
حبّ مسان سوکھے کی مجرب دوا تین روپے	**حکیم نظام جان اینڈ سنز چوک گھنٹہ گھر گوجرانوالہ** بالمقابل ایوان محمود ربوہ	**معین الصحت** تلی، بھوک، خرابی جگر اور یرقان کا علاج پانچ روپے

الفردوس

انارکلی میں

لیڈیز کپڑے کے لئے

آپ کی اپنی

دکان ہے

الفردوس

۸۵- انارکلی لاہور

ہر قسم کا سامان سائنس

واجبی نرخوں پر خریدنے کے لئے

الائیڈ سائنٹیفک سٹور

گنپت روڈ لاہور

کو

یاد رکھیں

سب سے پہلے عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے کا دعویٰ کس نے کیا؟

(از قلم جناب شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ لائلپور)

تحقیق اُمّ الالسنہ کے سلسلہ میں خاکسار کی تصانیف
Arabic the source of all languages
English Traced to Arabic
شائع ہو چکی ہیں اور ان کے متعلق بہت سے عالمانہ، سیر حاصل اور قابلِ قدر تبصرے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اس ضمن میں بجا طور پر یہ سوال اُٹھایا گیا ہے کہ عربی زبان کے متعلق سب سے پہلے اُمّ الالسنہ ہونے کا دعویٰ کس نے کیا؟

اس فرصت میں خاکسار اپنی معلومات کے مطابق اس سوال کا جواب لکھنا چاہتا ہے۔

ظاہر ہے کہ کسی امر کے متعلق محض دعویٰ کر دینا جبکہ اس کی تائید میں بیّنات اور دلائل نہ ہوں کچھ مشکل نہیں ہے۔ تاہم جہاں تک خاکسار نے معلوم کیا ہے بانیٔ سلسلہ احمدیہ سے پہلے یہ دعویٰ کسی نے نہیں کیا کہ عربی زبان سے دُنیا کی تمام زبانیں پیدا ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم۔ — دراصل ایسا دعویٰ کرنے کا اس سے پیشتر وقت بھی نہیں آیا تھا۔

وَكُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهٖ ؎
ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد

علّامہ جلال الدین سیوطی (۱۴۴۵-۱۵۰۶ء) نے اپنی کتاب "مزھر" میں زبان کے آغاز اور اس کے ارتقاء کے بارے میں علمائے اسلام اور ائمہ لغتِ عرب کے اقوال و آراء درج کئے ہیں جن کا ملخص حسب ذیل ہے۔

نظریۂ اوّل

(ا) علّامہ ابن جنّی (۹۳۲-۱۰۰۲ء) فرماتے ہیں:-

"وذهب بعضهم الى ان اصل
اللغات كلّها انّما هو من
الاصوات المسموعات،
كدوى الريح، وحنين الرعد،
وخرير الماء، وشحيج الحمار،

ونعيق الغراب، وصهيل الفرس، ونزيب الظبي، ونحو ذلك، ثم ولدت اللغات عن ذلك فی ما بعد وهذا عندی وجه صالح ومذهب متقبل،

کہ بعض محققوں کی رائے یہ ہے کہ لغت کی بنیاد وہ آوازیں ہیں جو سنی جاتی ہیں۔ مثلاً ہوا کی سائیں سائیں، بادل کی گرج، پانی کی سرسراہٹ، گدھے کا رینگنا، کوّے کی کائیں کائیں، گھوڑے کی ہنہناہٹ، ہرنی کی بوبو، اور اسی طرح کی اور آوازیں۔ اور انہی آوازوں سے بعد میں زبانیں پیدا ہوئیں۔ (ابوعلی کہتے ہیں) کہ میرے نزدیک یہ توجیہ درست ہے اور یہ نقطۂ نظر ماننے کے لائق ہے۔"

(مزھر صفحہ ۱۴)

یہی وہ نظریہ ہے جو علمائے یورپ کے نزدیک بڑی مدت تک مقبول رہا لیکن فی زمانا یہ نظریہ علمائے السنہ کے نزدیک غلط اور سراسر باطل قیاس آرائی ہے اور اس نظریہ کے خلاف مسکت اور مفحم دلائل موجود ہیں تفصیل کے لئے خاکسار کی کتاب *English Traced to Arabic* ملاحظہ ہو۔ بانی سلسلہ احمدیہؑ نے اس نظریے کا ابطال بڑے مشرح و بسط سے کیا ہے اور ایک بالکل نئی دلیل دیکر اس نظریے کی جڑ کاٹ دی ہے۔ فرماتے ہیں :-

وما نعب غراب إلا بتعليمه
وما زأر اسد إلا بتفهيمه

کہ کوئی کوا کائیں کائیں نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے اور کوئی شیر نہیں دہاڑتا مگر اسی کی تفہیم سے۔

گویا جب جانوروں کی آوازیں بھی اللہ تعالیٰ کی تعلیم و تفہیم کا نتیجہ ہیں تو نطق انسانی بھی خداداد ہے نہ کہ انسان کی اپنی ایجاد۔

(ب) پھر ابن جنّی کہتے ہیں :-

"مجھے یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ تمام زبانوں کا اصل ایک زبان ہو اور پھر اس سے تمام زبانیں نکلی ہوں کیونکہ ہم اس کی کوئی نظیر نہیں پاتے۔ البتہ یہ جائز ہے کہ شروع میں دو یا تین یا اس سے کچھ زائد زبانیں ہوں اور پھر ان سے آگے زبانیں پھیلی ہوں لیکن یہ بھی مجھے قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا کیونکہ ہمیں کوئی کلام ایسا نہیں ملتا جو تمام زبانوں کا متفق ہونا ثابت کرتا ہو اور ہر قوم کی بولی میں وہی الفاظ ہوں۔" (مزھر صفحہ ۲۶۷)

اس کا جواب آگے آئے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ قول عربی کے اُمّ الالسنہ ہونے کے بالکل برعکس ہے۔

نظریۂ دوم

علماء کے ایک دوسرے طبقے کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف زبانیں سکھائیں گویا سب زبانیں ایک زبان سے نہیں نکلیں۔

ابو علی کہتے ہیں کہ "عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ" کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی "تمام زبانیں" آدم کو سکھائیں۔ مثلاً عربی، فارسی، عبرانی، رومی وغیرہ اور باقی تمام زبانیں۔ اور آدمؑ اور اُن کے بیٹے یہ زبانیں بولا کرتے تھے ——— پھر ان کے بیٹے دُنیا میں بکھر گئے اور ان میں سے ہر ایک نے ایک خاص زبان اختیار کر لی اور اس کا ان میں غالب استعمال ہونے لگا اور زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ باقی زبانیں ان کے ذہنوں سے نکل گئیں۔" (مزھر ص۱۱)

ظاہر ہے کہ یہ نظریۂ عربی کے اُمّ الالسنہ ہونے کے خلاف ہے۔ بانی سلسلہ احمدیہؑ نے اس کی تردید کی ہے۔ فرمایا:-

"وان قيل ان المشهور بين العامة من اهل الملة ان الله عَلَّمَ ادم جميع اللغات المختلفة فكان ينطق بكلّ لغة من العربيّة والفارسيّة وغيرها من الالسنة فجوابه ان هٰذا اخطاء نشأ من الغفلة لا يلتفت اليه احد من اهل الخبرة، بما خالف امرًا ثبت بالبداهة"

"یعنی اگر کوئی کہے کہ عوام مسلمانوں میں تو یہ مشہور ہے کہ خدا تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام مختلف بولیاں سکھا دی تھیں اور وہ ہر ایک بولی عربی، فارسی وغیرہ بولتا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خطاء ہے جو غفلت کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے اور اس کی طرف کوئی عقلمند توجہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ بدیہی الثبوت امر کے مخالف ہے۔"

(منن الرحمٰن صفحہ ۹۸)

نظریۂ سوم

ایک تیسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ زبان کا ایک حصّہ الہامی ہے اور ایک حصّہ انسان کا اپنا بنایا ہوا ہے

(أ) "امام فخر الدین رازی (۱۱۴۹ تا ۱۲۰۹ء) نے اپنی کتاب المحصول میں اور تاج الدین ارموی نے اپنی کتاب الواضح کی نظر ثانی کرتے ہوئے اس خیال کی تائید کی ہے کہ زبان اور اس کے الفاظ کے بارے میں مندرجہ ذیل نظریات قابلِ غور ہیں:-

(ا) الفاظ خود بخود معانی پر دلالت کرتے ہیں۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے ہر معنی کے لئے الگ الگ لفظ بنائے ہیں۔

(ج) لوگوں نے ان معانی کیلئے الفاظ وضع کئے ہیں۔

(ك) بعض الفاظ اللہ تعالیٰ نے وضع کئے اور بعض لوگوں نے بنائے ہیں۔

عباد بن سلیمان پہلے نظریہ کے قائل ہیں۔ شیخ ابی الحسن الاشعری اور ابن فورک (وفات ۴۰۶ھ) دوسری رائے کے قائل ہیں۔ ابوہاشم تیسری رائے رکھتے ہیں۔ چوتھی شق کی تفصیل یہ ہے کہ ابتداء میں لوگوں نے مختلف معنی ادا کرنے کے لئے الفاظ بنائے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو مکمل کیا۔ یا یہ کہ ابتداء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی اور لوگوں نے اس کو مکمل کیا۔ یہ رائے استاد ابو اسحٰق الاسفرائینی کی ہے۔

زبانوں کے محققین ان سب آراء میں سے کسی نہ کسی رائے سے اتفاق رکھتے ہیں۔ البتہ عباد بن سلیمان کی رائے سے محقق علماء اتفاق نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہر لفظ خود بخود اپنے معنی پر دلالت کرے تو پھر ہر شخص کو ہر زبان آنی چاہیئے اور چاہیئے کہ وہ اسے جانتا ہو۔ کیونکہ ذاتی دلالت میں افراد کے لحاظ سے کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا اور چونکہ بداہتہً یہ بات غلط ہے اسلئے لازم اور ملزوم دونو باطل ہیں۔" (مزہر صفحہ ۱۱)

(ب) ابو الفتح بن برہان اپنی کتاب الوصول الی الاصول میں لکھتے ہیں کہ زبان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ اللہ تعالیٰ نے سکھائی (توقیفی ہے) یا لوگوں کی ایجاد کردہ اصطلاحات ہیں؟ معتزلہ کا خیال ہے کہ ساری کی ساری زبانیں انسان کی وضع کردہ اصطلاحات ہیں۔ ایک اور گروہ کا خیال ہے کہ نہیں زبان کا علم بذریعہ تعلیم ایزدی (توقیف) ہوا ہے۔

عربی زبان کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ تمام زبانیں انسان کی وضع کردہ ہیں اور زرکشی کی یہی رائے عربی زبان کے متعلق بھی ہے لیکن بعض کا خیال ہے کہ عربی زبان تو الہامی ہے اور باقی زبانیں انسان کی وضع کردہ ہیں۔ (مزہر صفحہ ۲۷)

(ج) قاضی ابوبکر کہتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ زبان کا علم بذریعہ تعلیم الٰہی ہوا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ زبان بذریعہ اصطلاح وضع ہوئی ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ زبان کے کچھ حصے الہامی ہوں اور کچھ حصے اصطلاحی" (مزہر صفحہ ۲۰)

نظریۂ چہارم

"ابن جنیؒ کہتے ہیں کہ صحیح بات جس کے قائل امام نحو ابوالحسن اخفش اور بعض دوسرے علماء بھی ہیں یہ ہے کہ زبان خواہ الہامی ہو خواہ اصطلاحی ایک وقت میں ساری کی ساری زبان اور نہ ہی ساری زبانیں پیدا ہوئیں بلکہ یکے بعد دیگرے مسلسل عمل کے ذریعہ سے زبانیں معرضِ وجود میں آئیں۔"

(مزہر صفحہ ۵)

نظریۂ پنجم

(ا) امام غزالیؒ (۱۰۵۹ء - ۱۱۱۱ء) کا قول ہے کہ آیت عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے بظاہر یہ مفہوم نکلتا ہے کہ زبان کا علم بذریعہ الہام حاصل ہوا ہے لیکن یہ قطعی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے پیدا ہونے سے پہلے زبان بنائی ہو اور بعد میں آدمؑ کو سکھائی ہو۔" (مزہر ص۲۲)

(ب) ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں انس بن مالکؓ سے یہ موقوف روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بابل میں جہان بھر کے لوگوں کو جمع کیا تو اُن کی طرف ایک خاص ہوا بھیجی۔ اس پر وہ سب ایک جگہ جمع ہوگئے اور سوچنے لگے کہ انہیں کیوں اکٹھا کیا گیا ہے۔ اس پر ایک پکارنے والے نے آواز دی کہ وہ لوگ جو مغرب کو دائیں اور مشرق کو اپنے بائیں رکھ کر سیدھے بیت حرام کی طرف جائیں گے اُن کو آسمان والوں کی زبان ملے گی۔ اس پر یعرب بن قحطان کھڑا ہو گیا۔ اُسے کہا گیا اسے یعرب بن قحطان بن ہود تو ہی اس بات کا مستحق ہے کہ تجھے اس زبان کا شرف ملے چنانچہ یہ پہلا شخص تھا جس نے فصیح بلیغ عربی زبان استعمال کی۔ اسی طرح آواز دینے والا آواز دیتا رہا کہ جس نے ایسا ایسا کیا اسکو فلاں زبان ملے گی۔ یہاں تک کہ بہتر۷۲ زبانیں لوگوں کو دی گئیں اور اس پر یہ آواز ختم ہو گئی اور لوگوں میں اضطراب پیدا ہوا اسلئے اس جگہ کا نام بابل رکھا گیا۔ اس زمانے میں اس علاقے کی زبان بابلی تھی۔" (مزہر ص۳۲)

نظریۂ ششم

(ا) الدیلمی نے اپنی کتاب مسند الفردوس میں ابو رافع سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی اور مٹی کے خمیر میں میری اُمت مجھے تمثیلاً دکھائی گئی اور مجھے وہ تمام نام سکھائے گئے جو آدمؑ کو سکھائے تھے۔

(ب) امام وکیع نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ شریک نے عاصم بن قلیب بن کلیب الحرمی سے اور انہوں نے سعید بن معد سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ (وفات ۶۸۸ء) عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کی یہ تفسیر کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو ہر چیز سکھائی۔ اسے القصعة (پیالہ) اور القصيعة (پیالی) القسوة اور القسيوة غرضیکہ ہر چھوٹا بڑا لفظ سکھایا۔ اور وکیع سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو ہر شئے کا نام سکھایا۔ یہاں تک کہ بعیر، بقرة اور شاة یعنی ہر قسم کے الفاظ سکھائے۔ عبداللہ بن حمید کے الفاظ یہ ہیں کہ جو بھی کلمہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو سکھایا۔" (مزہر ص۲۸)

نظریۂ ہفتم

نظریۂ ہفتم یہ ہے کہ عربی زبان سب سے اوّل، سب سے افضل، سب سے وسیع تر زبان ہے۔

(ا) بعض کہتے ہیں کہ عربی زبان سب سے پہلی زبان ہے اور باقی سب زبانیں اس کے بعد (نہ کہ اس سے منقلب) پیدا ہوئی ہیں۔ یا تو وہ بھی الہاماً وجود میں آئیں یا اصطلاحاً وضع ہوئیں۔ اس گروہ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے عربی میں ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عربی زبان سب زبانوں سے پہلے پیدا ہوئی۔" (مزھر ص۲۷)

(ب) ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جنت میں حضرت آدمؑ کی زبان عربی تھی لیکن جب ان سے غلطی سرزد ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کی استعداد اُن سے چھین لی۔ اس کے بعد وہ سریانی زبان بولنے لگے۔ پھر جب اُن کی توبہ قبول ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ عربی زبان انہیں سکھا دی۔" (مزھر ص۳۰)

(ج) عبدالملک بن حبیب کہتے ہیں کہ آدمؑ جو زبان جنّت سے لیکر آئے تھے وہ عربی تھی اور ایک لمبے زمانے تک وہ یہ زبان بولتے رہے مگر مرورِ زمانہ سے یہ زبان بگڑ کر سریانی زبان بن گئی جو ملک سُور کی طرف منسوب ہے۔" (مزھر ص۳۰)

(د) بعض فقہاء کا خیال ہے اور امام شافعی (۷۶۷ تا ۸۲۰ء) نے بھی یہی تصریح کی ہے کہ عربی زبان اپنے اسلوب کے لحاظ سے وسیع ترین زبان ہے اور اس کے الفاظ سب سے زیادہ ہیں اور سوائے نبی کے کوئی اور شخص اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔" (مزھر ص۶۵)

(ھ) ابن فارس نے ایک جگہ کہا ہے کہ ساری عربی زبان ہم تک نہیں پہنچی بلکہ جو کچھ ہم تک پہنچا ہے وہ زیادہ میں سے تھوڑا ہے اور اس کا بہت سا حصہ اس کے بولنے والوں کے گزر جانے کے ساتھ ہی ہاتھ سے جاتا رہا۔" (مزھر ص۶۶)

مندرجہ بالا سات نظریوں سے ظاہر ہے کہ نظریات اوّل تا پنجم میں عربی زبان کے اُمّ الالسنہ ہونے کا دعویٰ نہیں ہے البتہ نظریہ ششم میں اشارات ملفوظہ اور مفہومات مقدرہ اس بارے میں پائے جاتے ہیں نہ کہ صراحت و وضاحت اور بات کھل کر سامنے نہیں آئی۔ نظریہ ہفتم میں عربی کے کمالات اور اُس کے اقدم، افضل اور اوسع ہونے کا اظہار ہے یہ ذکر نہیں کہ عربی زبان دنیا کی تمام زبانوں کا منبع اور ماخذ ہے۔ فتدبّر!

نظریۂ ہشتم۔ جو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا ہے

بانی سلسلہ احمدیہؑ نے ۱۸۹۵ء میں کتاب منن الرحمٰن عربی زبان میں لکھی جس میں زبان کے آغاز، عربی زبان کے الہامی زبان ہونے اور دُنیا کی تمام زبانوں کا منبع و ماخذ ہونے کا ذکر فرمایا۔ مغربی محققین کے خیالات کا ذبّ و دفاع، سنسکرت کی بے بضاعتی اور عربی زبان کے خداداد کمالات پر مفصل بحث فرمائی

اور دُنیا کے سامنے بڑی تحدّی کے ساتھ یہ دعویٰ مع دلائل و براہین پیش کیا کہ **دنیا کی ہر زبان عربی سے نکلی ہے** اور دراصل عربی کی ہی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اور اس بگاڑ کے متعلق کتاب مذکور میں وہ اصول و قواعد بھی بنائے گئے جن کے ذریعہ سے زبانوں کا عربی الاصل ہونا بپایۂ ثبوت پہنچ جائے۔

جلسہ اعظم مذاہب ۱۸۹۶ء میں بمقام لاہور آپ نے علیٰ رؤس الاشہاد یہ اعلان کیا بلکہ اس بارے میں تمام دنیا کو **انعامی چیلنج** بھی دیا۔ آپ نے عربی کے اُمّ الالسنہ ہونے کی بنیاد قرآن حکیم، احادیث نبویہؐ، اپنے الہام اور تاریخی مشاہدات پر رکھی۔ غرضیکہ ایک بڑی صداقت جو ابتداء سے پردۂ اخفاء میں تھی کھل کر دُنیا کے سامنے آ گئی اور اسلام کی حقانیت کے لئے **ایک نئی دلیل** بڑی آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ؎ معمّہ کھل گیا روشن ہوئی بات۔

؎ اے مذبذب از حقیقت رُو متاب
آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

ذیل میں مندرجہ بالا امور کے متعلق حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی تحریرات کے کچھ حصے پیش کئے جاتے ہیں تفصیل کے لئے اور عربی زبان کے کمالات کے متعلق حضورؑ کی کتاب منن الرحمٰن دیکھنی چاہیئے۔

(أ) القرآن هو اُمّ الكتب الاولىٰ والعربية اُمّ الالسنة من الله الاعلىٰ واما الباقية من اللغات فهى لها كالبنين والبنات ۔

یعنی قرآن ہی تمام کتابوں کی ماں ہے اور ایسا ہی عربی زبان تمام زبانوں کی ماں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور باقی زبانیں اس کے بیٹے بیٹیوں کی طرح ہیں۔
(منن الرحمٰن صفحہ ۴)

(ب) فالّذی خلق الانسان من نفسٍ واحدة، كيف تُعزىٰ اليه كثرة غير مرتبة، ولغات متفرّقة غير منتظمة، الا تعلم انه راعى الوحدة فى كلّ كثرة، واشار اليه فى صحف مطهرة وكتاب امام العارفين ۔

یعنی جس خدا نے انسان کو نفس واحدہ سے پیدا کیا اس کی طرف کیونکر ایک ایسی کثرت منسوب کی جائے جو غیر مرتب ہے اور کیونکر ایسی زبانیں (اس کی طرف منسوب کی جائیں) جو متفرق اور غیر منتظم ہیں۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اس نے ہر ایک کثرت میں وحدت کی رعایت رکھی ہے اور اپنی کتاب میں جو عارفوں کی امام ہے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔
(منن الرحمٰن صفحہ ۶۹)

ولا يتمّ التوحيد الّا بعد هٰذه العقيدة ۔ اور توحید بجز اس عقیدے کے پوری نہیں ہو سکتی۔ (منن الرحمٰن صفحہ ۳۲)

وانّہا من علوم اختصّت بالمسلمین
اور (توحید باری) ان علوم میں سے ہے جو
اہلِ اسلام سے خاص ہے (منن الرحمٰن ص۶)

(ج) جلسہ اعظم مذاہب ۱۸۹۶ء میں آپؑ نے اعلان فرمایا کہ
"ہم منن الرحمٰن میں ثابت کر چکے ہیں کہ
عربی کے الفاظ وہ الفاظ ہیں جو خدا کے مُنہ
سے نکلے ہیں اور دُنیا میں فقط یہی ایک زبان
ہے جو خدائے قدوس کی زبان، اور قدیم اور
تمام علوم کا سرچشمہ، اور تمام زبانوں کی ماں
اور خدا کی وحی کا پہلا تخت گاہ اسلئے کہ تمام
عربی خدا کا کلام تھا۔ پھر وہی کلام دُنیا میں
اُترا اور دُنیا نے اس سے اپنی بولیاں
بنائیں اور آخری تخت گاہ خدا کا اسلئے لغتِ
عربی ٹھیری کہ آخری کتاب خدا تعالیٰ کی جو
قرآن شریف ہے عربی میں نازل ہوئی۔"
(اسلامی اصول کی فلاسفی ص۹۷)

(د) عربی کا اُمّ الالسنہ ہونا اس حد تک ہمہ گیر ہے کہ
"لیس لفظ عندھم إلّا من
ھٰذہ اللھجۃ" یعنی غیر زبانوں میں
بجُز اس زبان کے ایک لفظ بھی نہیں۔
(منن الرحمٰن ص۶۲)

(ھ) وحاصل ما کتبنا فی ھٰذہ المقدمۃ،
ان العربیۃ ام الالسنۃ ووحی اللّٰہ
ذی المجد والعزۃ، وغیرھا کرشٍ
من ھٰذہ المطرۃ القاشرۃ، ومالھا
سبد ولا لبد الّا من ھٰذہ اللھجۃ۔"
اور جو کچھ ہم نے اس مقدمہ میں لکھا ہے اس
کا ماحصل یہ ہے کہ عربی اُمّ الالسنہ ہے
اور خدا تعالیٰ کی وحی ہے جو صاحبِ مجد و عزت
ہے اور دوسری زبانیں اس بزرگ مینہ سے چند
قطرے ہیں اور ان کا قلیل و کثیر تمام اسی زبان
(عربی) میں سے ہے۔ (منن الرحمٰن)

(و) فان کنتم لا تومنون ببراعۃ
العربیۃ وغزارتھا، ولا تقرون
بعظمۃ جمازتھا فارونی فی
لسانکم کمالات مثل کمالاتھا،
ومفردات کمفرداتھا ومرکّبات
کمرکّباتھا ومعارف کمعارفھا و
نکاتھا ان کنتم صادقین۔ پس اگر تم
عربی کی بزرگی اور ارجمندی پر ایمان نہیں لاتے
اور اس کی تیز رَو اونٹنی کے تم قائل نہیں ہوتے
تو تم اس کے کمالات کا نمونہ اپنی زبان میں
مجھے دکھاؤ۔ اور اس کے مفردات کے
مقابل پر مفردات اور مرکّبات کے مقابل
پر مرکّبات اور معارف اور نکات کے مقابل
پر معارف مجھ کو دکھلاؤ اگر تم سچے ہو۔"
(منن الرحمٰن ص۹۴)

(ز) وان کنتم تنھضون للمقابلۃ فانّی
مجیزکم خمسۃ آلافٍ من الدراھم
المروّجۃ، بعد ان تکملوا شرائط

هذه الدعوة ويشهد حَكَمان بالحلف
عند الشهادة، ليتمّ حجّتي عند
النحارير، ولا يبق ندحة المعاذير،
وهذا عليّ غرامة لو كنت من
الكاذبين، فقوموا لأخذ هذه
الصلة، أو لحماية لغاتكم الناقصة،
ان كنتم حاملين واجمعوا عين
شروطي اين تشاؤن ان كنتم
ترتابون أو تخافون،
واني اقبل كلّما تطلبون، و
اكتب كلّما تستملئون، وابصح
في كلّ ما تسئلون، لعلّكم تطمئنون
بها ولعلّكم تستيقنون، وافعل
كلّما تأمرون لو أمرتم منصفين،
وما أريدُ أن اشقّ عليكم وما أنتُ
من المسترعين وستجدوني
انشاء الله من المقسطين۔"

یعنی اگر تم مقابلہ کے لئے اُٹھتے ہو تو مَیں
تم کو بطور انعام **پانچ ہزار روپیہ** دونگا
بشرطیکہ تم موافق شرائط جواب دو۔ اور دو
ثالث حلفاً گواہی دیں تا عقلمندوں کے نزدیک
میری حجّت پُوری ہو جائے اور کسی عذر کی کوئی
گنجائش نہ رہے اور یہ میرے پر تاوان ہے
اگر مَیں کاذب ہوں۔ پس اس انعام کے
لینے کے کھڑے ہو جاؤ اور اپنی ناقص زبانوں
کی حمایت کے لئے کچھ ہمّت کرو اور میری
شرط کا روپیہ جہاں چاہو جمع کرا لو اگر تمہیں
شک یا خوف ہو۔ اور جو تم طلب کرو مَیں
سب قبول کروں گا اور جو کچھ لکھواؤ گے
مَیں لکھوں گا اور جو تم پوچھو گے مَیں اس کا
شافی جواب دوں گا تا کہ تم مطمئن ہو جاؤ
اور تا کہ تم یقین کرو۔ اور جو کچھ تم کہو مَیں
کروں گا بشرطیکہ تم انصاف کے ساتھ حکم
کرو۔ اور مَیں نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ مشقت
ڈالوں اور مَیں ان میں سے نہیں ہوں جو بدی
کے ساتھ کسی پر دوڑ پڑتے ہیں اور مجھکو
انشاء اللہ انصاف پسند پاؤ گے۔"

(منن الرحمٰن صہ ۹۵)

(ح) ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا تحدّی سے زیادہ زوردار
تحدّی ممکن نہیں۔ یہ حق الیقین اور تحدّی اسلئے
ہے کہ یہ صداقت قرآن شریف کی متعدد آیات
میں مذکور ہے لیکن متقدمین کی نظروں سے اوجھل
رہی ہے

جَمِیْعُ العِلْمِ فی القراٰنِ لٰکن
تَقَاصَرُ عنه اَفْهَامُ الرِّجَال

اب اپنے وقت پر آکر یہ صداقت عالم آشکار ہو گئی۔
اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے بھی
حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اُمّ الالسنہ کا نظریہ اخذ
کیا ہے۔ فرماتے ہیں :-

"ثمّ مِن لطائف الایماء انّ

خاتم الانبیاء جعل نفسہٗ
شریک آدم فی تعلّم الاسماء
کما اخرج الدیلمیؒ فی حدیث
الطین والماء، ففکّر فی ما قال
خاتم النبیّین مُثّلت لی اُمّتی
فی الماء والطّین وعُلّمتُ
الاسماء کما علّم آدم الاسماء
فانظر الی ما اشار فخر المرسلین۔
ترجمہ: پھر ایک **لطیف اشارہ** یہ ہے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو اسماء کے سکھائے جانے میں آدم کا شریک ٹھہرایا ہے جیسا کہ دیلمی نے حدیث طین اور ماء میں روایت کی ہے۔ پس اس قول میں فکر کر جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمّت میرے لئے پانی اور مٹی میں متمثل کی گئی اور مجھے نام سکھائے گئے۔ پس اس امر میں فکر کر جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا" (دیکھو منن الرحمٰن صلا۷-۷۲)

اسی طرح ایک اور حدیث سے بھی آپؑ نے یہ استنباط کیا ہے۔

(ط) قرآن حکیم کی جن آیات سے بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے عربی کے اُمّ الالسنہ ہونے کے بارے میں استدلال و استنباط کیا ہے وہ آیات ذیل میں درج کی جاتی ہیں تفصیل کے لئے آپ کی کتاب منن الرحمٰن مطبوعہ ۱۸۹۵ء دیکھنی چاہئے۔

(۱) وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (صلا)
(۲) وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ؀ (صلا-۱۰)
(۳) اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؀ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ؀ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ؀ (صلا۲۴-۲۷)
(۴) اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (صلا۹)
(۵) وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ (صلا۹)
(۶) لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (صلا۳۹)
(۷) نَذِيْرًا لِّلْعٰلَمِيْنَ (صلا۶۳)

ان آیات کی روشنی میں آپؑ نے عربی کے اُمّ الالسنہ ہونے پر قاطع دلائل دیئے ہیں۔

(ی) علاوہ ازیں مندرجہ بالا چیلنج جو حضورؑ نے دنیا کو دیا۔ وہ الہام الٰہی کے ماتحت ہے فرماتے ہیں:

وَمَا کتبتُ من عندی والھمنی
ربّی وایّدنی فی امری وتاقت
نفسی الی ان اُفُضّ ختم ھذا
السّرّ وأُرِیَ الخلقَ ما ارانی
ذوالفضلِ والنصرِ وانّہٗ
ذوالفضلِ المبین۔

ترجمہ: اور میں نے اپنی طرف سے نہیں لکھا (یعنی وہ چیلنج جو اوپر درج کیا جا چکا ہے) بلکہ

میرے خدا نے مجھے الہام کیا اور میرے امر میں میری تائید کی۔ پس میرے نفس نے خواہش کی کہ میں اس بھید کی مُہر کھولوں اور لوگوں کو وہ معارف دکھلاؤں جو خدا نے مجھ کو دکھلائے وہ صاحب فضل مبین ہے۔ (صفحہ ۹۹)

پس چیلنج مذکور کی بنیاد قرآن و حدیث کے غوامض و معارف ہیں اور نیز وحی الٰہی ہے۔ اور یہ تینوں باتیں مل کر اس قرآنی صداقت کو کہ عربی زبان دنیا کی ہر ایک زبان کا منبع ہے عالم آشکارا کرتے ہیں اور ہمیشہ کرتے رہیں گے۔

عظیم دعویٰ کا شاندار ثبوت

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے فرمایا ہے :-

لیس لفظ عند هم الّا من هٰذه اللهجة۔ (منن الرحمٰن صفحہ ۹۹)

کہ دنیا کی زبانوں کا ہر لفظ عربی زبان سے تعلق رکھتا ہے۔

(ا) مندرجہ بالا کلّیہ دنیا کی تمام زبانوں پر حاوی ہے اور حاوی رہے گا کیونکہ قرآن حکیم کا بیان کردہ یہ اصول کہ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ایک دائمی صداقت ہے جو ہر زمانے میں ہر زبان پر منطبق رہے گا۔

(ب) زبانیں عربی سے نکلیں، بگڑیں اور مسخ ہوئیں لیکن یہ بگاڑ مشیتِ الٰہی کے ماتحت معین اور مقررہ اصول کے مطابق ہوا ہے اور یہ مقررہ اصول منن الرحمٰن میں منضبط ہیں۔ علاوہ ازیں علم اللسان کی روشنی میں بھی مسلّمہ ہیں اور دائم و قائم ہیں۔ خاکسار نے اپنی کتب محولہ بالا میں ان اصول کو ترتیب دیا ہے۔

(ج) لیس لفظ عند هم الّا من هٰذه اللهجة ایک ایسا عالمگیر اصول ہے جو ایک محقق کے لئے ہر زمانے میں مشعلِ ہدایت رہے گا اور اس کے سمندِ تحقیق کی رفتار کو تیز تر کرتا رہے گا حسبِ منطوق اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ۔

(د) بے شک زبانوں میں ایک حصّہ الفاظ کا ایسا ہے جو اپنے اصل عربی مادے سے بگڑ کر قلبِ ماہیت اختیار کر چکا ہے لیکن یہ حصّہ الفاظ کا کثیر کے مقابلے میں نہایت قلیل ہے اور ناقابلِ لحاظ ہے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں :-

بَیْدَ انّها اخرجت من المنازل المقرّرة وبعدت من الاوطان الموروثية و بوعدت من الاتراب، وهيل عليها الزوائد كهيل التراب، واخفيت كالميتين بل دفنت كالموؤد، فما مادها احد كالودود۔

یعنی ہاں اتنا ہے کہ وہ الفاظ اپنے منازلِ مقرّرہ سے نکالے گئے اور اپنے موروثی وطنوں سے دور کئے گئے اور اپنے ہم عمروں سے الگ کئے گئے اور ان پر زوائد ڈالے گئے جیسا کہ مٹی ڈالی

جاتی ہے اور مُردوں کی طرح وہ چھپائے گئے۔ پس کسی نے دوست کی طرح ان کو کھانا نہ کھلایا۔"

(منن الرحمٰن صفحہ ۹۱-۹۲)

سینکڑوں مثالوں میں سے یہاں پر ایک مثال ایسے کایا پلٹ بگاڑ کی پیش کی جاتی ہے۔ سنسکرت کا لفظ LUHA بمعنی سُرخ ہے۔ اس سے پہلے یہ لفظ RUHA تھا (گویا را بدل گئی لام میں) اس سے پیشتر یہ لفظ RUDDHA تھا۔ (RUHA میں دال گر گئی اور دال کو گرانے کا قاعدہ مسلّمہ ہے) اور RUDDAH ورد بمعنی سُرخ ہے اور انگریزی میں RED ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تغیّر در تغیّر ہو کر عربی رُوٹ کالمیّت یا زندہ درگور ہو گیا۔

اس قسم کی مزید مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ تغیّر کی درمیانی کڑیاں اگر معلوم ہوں تو عربی مادے تک سراغرسانی ہوسکتی ہے۔ لفظ LUHA کی درمیانی کڑیاں جو اوپر درج ہوئیں علماءِ سنسکرت کے مسلّمات سے ہیں۔

(ھ) بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو کسی تلمیح، استعارہ یا کسی اور خصوصیت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ایسے الفاظ میں جانوروں، درختوں، ملکوں، کے نام بعض صنعت و حرفت کی اصطلاحیں، بولی ٹھولی کے الفاظ، غلط العام الفاظ، اسمائے علم شامل ہیں جن کی بناء اکثر معلوم نہیں ہوتی۔ اسلئے وہ بھی کالمیّت شمار ہوں گے۔ البتہ اگر ان کی بناء متعین ہوسکے تو ان کا عربی ماخذ بھی قائم ہوسکے گا۔

(و) علاوہ ازیں یہ بات بھی نظر انداز نہیں ہوسکتی جو ابن فارس نے بیان کی ہے کہ "ساری زبان عربی ہم تک نہیں پہنچی" اور امام شافعیؒ کی یہ تصریح بھی قابلِ لحاظ ہے کہ عربی زبان وسیع ترین زبان ہے اور سوائے نبی کے کوئی اور شخص اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ (مزھر صفحہ ۶۵)

اس لحاظ سے یہ بات خارج از امکان نہیں ہے کہ شاذ کے طور پر چند الفاظ ایسے ہوں جو دراصل عربی ہوں مگر اب تک ہماری رسائی اُن تک نہ ہوئی ہو۔

مندرجہ بالا استثنائیں النادر کالمعدوم ہیں اور لیس لفظ عندھم اِلّا من ھٰذہ اللھجۃ کے کلیہ پر اثر انداز نہیں ہوسکتیں کیونکہ استثناء اصول کا اثبات کیا کرتی ہے نہ کہ اس کی نفی۔

(ز) پس اصول مندرجہ عنوان کے پیشِ نظر زبان کا عربی الاصل ہونا لازمی ہے میکسملر (۱۸۲۳-۱۹۰۰ء) کا یہ قول بڑا معنی خیز ہے کہ جس طرح کوئی شخص اِس کائنات میں ایک نئے ذرّے کا بھی اضافہ نہیں کرسکتا اسی طرح کوئی شخص زبان کا نیا مادّہ بنانے پر بھی قادر نہیں ہے۔

اس لئے جب ساری زبانیں عربی سے نکلی ہیں تو ہر زبان کے مادے کا عربی الاصل ہونا ضروری ہے۔

(ح) یہاں یہ ذکر کر دینا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ منن الرحمٰن کی روشنی میں گزشتہ تیئیس سال کی شبانہ روز محنت سے بہ توفیقِ الٰہی خاکسار نے مندرجہ ذیل چوالیس (۴۴) زبانوں کا عربی الاصل ہونا پایۂ تکمیل پہنچایا ہے۔

ایشیا- جاپانی- چینی- انڈونیشی- تبتی- پالی- نیپالی- سنسکرت- آرین رُوٹس- ہندی- پنجابی- گجراتی- مرہٹی- تامل- تیلیگو- فارسی-

افریقہ- سمیرین- اکاڈین- قدیم مصری زبان- لوگنڈا- سواحیلی- اٹبیسو- رن ین کور- یوروبا- ہوسا- بلتو- سمالی- تاراہمارا-

یورپ و امریکہ- انگریزی- ویلش- روسی- سویڈش- ڈچ- پولش- جرمن- فرینچ- سپینش- یونانی- لاطینی- اطالوی- زیک- پرتگالی- سروین- اسپرنٹو- ٹرکش-

یہ سرمایہ تقریباً ایک لاکھ الفاظ پر مشتمل ہے اور لَيْسَ لفظ عِندهم إلّا من هٰذه اللهجة کا اصول ان پر راست راست بلا کم و کاست صادق آتا ہے۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک۔

مندرجہ بالا زبانوں میں سے جاپانی تبتی- آرین رُوٹ- لاطینی- اطالوی- یونانی- سویڈش- ڈچ اور انگریزی- یہ نَو زبانیں شائع ہو چکی ہیں اور باقی زبانوں کے متعلق ؎

غریبِ شہر سخنہائے گفتنی دارد

اس تحقیق کے متعلق پاکستان ٹائمز ۲۸ مارچ ۱۹۶۴ء کے تبصرہ نگار نے مفصّل تبصرہ کے بعد لکھا:-

"جو فارمولے مصنّف نے دریافت کئے ہیں ان کی وضاحت برجستہ اور مؤثر مثالوں کے ذریعہ سے بخوبی کی گئی ہے۔ کتاب کا مطالعہ نہایت دلکش ہے اور اس کا ہر صفحہ حیرت انگیز ہے۔ اس کتاب کی تالیف دو اُمور پر مبنی ہے یعنی لمبے عرصہ تک بڑی بڑی زبانوں کا موازنہ کرنا اور علم اللسان کی کتابوں کا گہرا مطالعہ۔ اور جو بات بظاہر ناممکن نظر آتی تھی اس کتاب کے ذریعہ سے آسان اور ایک حسابی صداقت ہو گئی ہے۔"

اسی طرح مجلّہ صحیفہ نے ایک مفصّل تبصرہ لکھا اور درج کیا کہ:-

"زیرِ نظر کتاب مصنّف کی بیس سال کی محنت کا ثمر ہے۔ اس کتاب کی صورت میں مصنّف نے لسانیات کے شعبے میں ایک ایسا صحیح اور محکم نظریہ پیش کیا ہے جس سے السنۂ عالم کے اوّلین ماخذ کے متعلق اختلافات ختم ہو جانے چاہئیں۔"

عربی کا اُمّ الالسنہ ہونا اب تک منصّۂ شہود پر کیوں نہ آیا؟

مندرجہ بالا سوال کا جواب ایک مبسوط مقالے کا طالب ہے لیکن اس سوال کا مختصر جواب

حسب ذیل ہے۔

۱۔ فلالوجی کوئی پرانی سائنس نہیں ہے اس کی عمر زیادہ سے زیادہ دو سو (۲۰۰) سال کے لگ بھگ ہے۔ جب نقل و حمل کے ذرائع میسر آ گئے اور سیر و سفر کی راہیں آسان ہوئیں اور عیسائی مشنریوں نے دنیا کے مختلف ممالک میں عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت جاری کی اور اُن ملکوں کی زبانیں سیکھیں اور ان کی لغتیں طبع ہوئیں اور موازنۂ السنہ کا غلغلہ بلند ہوا اور علم اللسان کی طرف خصوصاً اہلِ یورپ نے توجہ کی اور اس سے پیشتر یہ سہولتیں میسر نہ تھیں اسلئے آغازِ زبان یا کسی زبان کے اُم الالسنہ ہونے کا مسئلہ معرضِ التواء میں رہا اور یہ قدرتی بات تھی۔

۲۔ اہلِ یورپ نے جب موازنۂ السنہ کرنا شروع کیا تو ابتداء میں ہی ایک ایسی سکندری کھائی کہ آج تک سنبھالے نہ سنبھل سکے۔ وہ غلطی یہ تھی کہ انہوں نے عربی زبان کو قطعاً نظر انداز کر دیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ عربی زبان کے الفاظ تقریباً سارے کے سارے سہ حرفی الفاظ ہیں بحالیکہ یہ تلازمہ دوسری زبانوں میں نہیں پایا جاتا۔ دوسری زبانوں میں یک حرفی، دو حرفی اور اس سے زیادہ الفاظ کے مادے ہیں۔ پس عربی اور دوسری زبانوں میں قدرِ مشترک تلاش کرنا ایک محال جوئی ہے۔

۳۔ عربی کو نظر انداز کر کے اہلِ یورپ کا مطمحِ نظر سنسکرت بن گیا اور چند الفاظ سنسکرت کے یورپ کی زبانوں سے مشابہ دیکھ کر یہ نظریّہ قائم ہو گیا کہ سنسکرت آرین زبانوں کی ماں ہے جس میں یورپ کی تمام زبانیں شامل ہیں۔ یہ نظریّہ لمبے عرصہ تک مقبول رہا لیکن بالآخر یہ نظریّہ حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا اور ساقط الاعتبار قرار دیا گیا۔ اسی طرح ڈچ، اطالوی اور عبرانی کا دعویٰ کہ وہ اُمّ الالسنہ ہیں بے بنیاد قرار دیا گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سنسکرت وغیرہ زبانوں کے رُوٹ نہایت تھوڑے ہیں اور اِس قابل نہیں ہیں کہ دوسری زبانوں پر محیط ہو سکیں۔

۴۔ اس پس منظر کے لحاظ سے بالآخر یہ نظریّہ قائم ہوا کہ (ا) آغازِ زبان سے متعلق جو مختلف نظریے ہیں وہ سب نادرست ہیں اور یہی ماننا پڑتا ہے کہ زبان انسان نے خود نہیں بنائی نیز آوازوں کی نقالی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سکھائی (خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ)۔
(ب) لازم ہے کہ دنیا کی تمام زبانیں سامی ہوں یا آرین یا کوئی اور خاندان ان سب کا منبع ایک ہی زبان ہو۔ (ج) لیکن وہ زبان جو سب زبانوں کا منبع اور ماخذ ہے۔ یا تو زمانہ قبل از تاریخ معلوم میں موجود تھی اور اب گم ہو چکی ہے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زبان دُنیا میں موجود ہو اور تحقیق سے مل سکے۔

پس اس وقت علماءِ السنہ کا حرفِ آخر یہ ہے کہ زبان خدا تعالیٰ نے انسان کو سکھائی اور

دُنیا کی تمام زبانوں کا منبع فی الاصل ایک ہی تھا۔ اور اگر کوئی ایسی زبان دلائلِ شافیہ سے یہ امر ثابت کرسکے تو وہ بخوشی اسے مان لیں گے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھئے کہ زبانوں کا منبع دریافت کرنے کے سلسلہ میں اہلِ یورپ عربی کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوئے اور یہ کونے کا پتھر معماروں نے مسترد کر دیا۔ حالانکہ تمام زبانوں کے خزانے اس کے نیچے پوشیدہ تھے۔

۶۔ تمام اہلِ لسان اس بات پر متفق ہیں کہ عربی کے رُوٹ تقریباً سب کے سب سہ حرفی ہیں اور ہمیشہ سے غیر متبدّل رہے ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ عربی کے روٹ کسی وقت کم و بیش یا تبدیل ہو کر سہ حرفی ہو گئے ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ عربی کے رُوٹوں کا سہ حرفی ہونا اور غیر متبدّل ہونا ایک مستقل پیمانہ ہے جس سے باقی زبانوں کو پرکھا جا سکتا ہے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ دنیا کی تمام زبانیں عربی کے سہ حرفی رُوٹوں پر مبنی تھیں۔ مرورِ ایام سے ان میں کمی بیشی اور تغیر و تبدّل ہوا اور وہ ایک نئی شکل اختیار کر گئے لیکن یہ تغیر و تبدّل ایسے معیّن اور حسابی اصول پر ہوا ہے کہ ہر زبان کے رُوٹ اپنے سہ حرفی رُوٹ کی طرف لوٹائے جا سکتے ہیں۔ خواہ وہ چینی زبان کے ایک سلیبل والے الفاظ ہوں یا سنسکرت کے یک حرفی یا زیادہ حروف کے طویل رُوٹ ہوں یعنی دس پندرہ یا بیس حروف پر مشتمل الفاظ ہوں۔ سب کو عربی کے سہ حرفی مانے کی طرف حسابی طریق پر لوٹنا پڑے گا۔ گویا ایک کیمیائی عمل کے تجزیہ سے کمی کو پورا اور بیشی کو خارج کیا جا سکتا ہے۔ اس کیمیائی عمل کے نتیجے میں ہر زبان کے الفاظ دس بیس قسموں میں بٹ جاتے ہیں اور عربی مادہ صاف اور شفاف ہو کر بحال ہو جاتا ہے۔ نیز اس کیمیائی عمل اور اس نسخے کے اجزاء فلالوجی کے مسلّمات سے ہیں اس لئے کوئی بالغ نظر فلالوجسٹ ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

منن الرحمٰن ص۸۴ پر ہے:۔

وكلّما يردّ لفظ الى منتهى مقام الردّ، ويفتّش اصله بالجهد والكدّ، فترى انّها عربية ممسوخة كأنّها شاة مسلوخة۔

اور جب کوئی محقق کسی لفظ کے اصل کی تلاش کرتے کرتے محنت اور کوشش کی انتہائی درجہ تک پہنچ جائے گا تو دیکھے گا کہ وہ لفظ عربی کا مسخ شدہ ہے گویا وہ ایک بکری ہے جس کی کھال اُتاری گئی ہے۔"

مثلاً (۱) OATH پہلے EED تھا جو عہد بمعنی قسم ہے۔

(۲) GINGER پہلے ZINGER تھا۔ لیکن اس سے بھی پہلے یہ لفظ —— ZINGIBER تھا جس میں را، لام کا بدل ہے (الراء أخت اللام) یعنی زنجبیل بمعنی جنجر۔ ظاہر ہے کہ ایک قدم آگے عربی رُوٹ موجود تھا اور دراصل

انگریزی لغت والوں کو GINGER کا رُوٹ نہیں مل سکا وامثالہا کثیرۃ جداً۔

۷۔ منن الرحمٰن نے اہلِ یورپ کے لسانی نظریات کو پاش پاش کیا اور سنسکرت کے متعلق ان کے غلو کو ناواقفی اور کم علمی پر مبنی ثابت کیا۔ اور سنسکرت کا ہوائی قلعہ جو عربی کو طاقِ نسیان پر رکھ کر اہلِ مغرب نے تیار کیا تھا پیوندِ خاک ہو گیا۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہؑ فرماتے ہیں :۔

والاسف کلّ الاسف علٰی بعض المستعجلین من المسیحیین و الغالین المعتدین انّھم حسبوا اللّسان الھندیہ اعظم الالسنۃ ومدحوھا بالخیالات الواھیۃ و فرحوا بالآراء الکاذبۃ ولیسوا الّا کحاطب لیل أو آخذ غثاء من سیل أو مغترف من کدرٍ لاماء معین۔

ان بعض جلد بازوں پر نہایت افسوس ہے جو عیسائیوں میں سے حد سے زیادہ تجاوز کر گئے ہیں اور انہوں نے سنسکرت زبان کو سب زبانوں سے بہتر سمجھ لیا ہے اور واہی خیالات کے ساتھ اس کی تعریف کی ہے۔ اور ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی رات کو لکڑیاں اکٹھی کرے یا سیلاب کا خس و خاشاک لے لے اور پانی کو چھوڑ دے یا مکدّر پانی میں سے ایک گھونٹ لے اور صاف پانی کو چھوڑ دے۔"

نیز فرماتے ہیں :۔

ألا ترٰی الی اللسان الویدیۃ الھندیۃ وغیرہ من الالسنۃ الاعجمیۃ کیف توجد اکثر الفاظھا من قبیل البری والنحت وشتان ما بینھا و بین المفردات البحت۔ فخداج مفرداتھا وقلّۃ ذات یدھا وعسرحالاتھا یدلّ علٰی ان تلک الالسنۃ لیست من حضرۃ العزّۃ ولا من زمان بدو البریۃ۔

یعنی کیا تو ہندی زبان یعنی سنسکرت وغیرہ عجمی زبانوں کو نہیں دیکھتا کہ کیونکر ان کے اکثر الفاظ ان کے تراش خراش کے قبیل سے ہیں۔ پس ان کو خالص مفردات سے کیا نسبت ہے؟ غرض ان کے مفردات کا ناقص ہونا اور انکی پونجی کا کم ہونا اس بات پر صاف دلیل ہے کہ وہ زبانیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور نہ ابتدائی زمانہ سے ہیں۔" (منن الرحمٰن صفحہ)

بلکہ اصل بات یہ ہے کہ :۔

بل تشھد الفراسۃ الصحیحۃ ویفتی القلب والقریحۃ انھا نحتت عند ھجوم الضرورات وصیغت عند فقدان المفردات لیتخلص أھلھا من مخالب الفقر وانیاب الحاجات وما خطرت ببالٍ الّا عند مامست

الحاجۃ الیہا"
یعنی فراست صحیح اور دل اور طبیعت قوت نے
دیتی ہے کہ وہ تمام زبانیں ضرورتوں کے وقت
اور مفردات نہ ہونے کی وجہ سے گھڑی گئی ہیں
تا اُن زبانوں والے محتاجگی کے چنگل سے نجات
پائیں۔ اور وہ ترکیبیں حاجت پیدا ہونے سے
پہلے کسی کے دل میں نہیں گزریں۔"
(منن الرحمٰن صفحہ ۳)

اُوپر کے حوالوں میں مندرجہ ذیل اصولی باتیں مندرج ہیں :-

اوّل۔ سنسکرت قدیم زبان نہیں ہے اور یہ امر بالآخر اب یورپ والے بھی تسلیم کر گئے ہیں۔

دوم۔ سنسکرت وغیرہ زبانوں کے مفردات نہایت تھوڑے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اپنے قلیل سرمایہ کو کام میں لا کر مفہومات اور الفاظ کو مصنوعی طور پر گھڑتی ہیں جو مفردات کا بدل نہیں ہو سکتے۔

سوم۔ عیسائی محققوں کا سنسکرت پر والا و شیدا ہونا اور اسے ایک عظیم الشان زبان قرار دینا ناانصافی اور کم علمی پر مبنی ہے۔

یہ تینوں امور سنسکرت کے لاحق حال ہیں۔ جہاں تک مفردات کا تعلق ہے سنسکرت کے ودوان کہتے ہیں کہ سنسکرت کے کُل مصادر کی تعداد ۵۰۰ یا ۷۰۰ یا حد درجہ دو ہزار کے قریب ہے جن میں سے بہت سے گم ہو چکے ہیں۔

جہاں تک الفاظ کے گھڑنے کا سوال ہے سنسکرت کے ودوان کہتے ہیں کہ سنسکرت میں تمام اسماء مصادر پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ۵۰۰ یا کم و بیش مصادر پر مبنی جو اسماء ہوں گے وہ دُنیا جہان کی چیزوں پر کس طرح حاوی ہو سکتے ہیں۔ لازماً ان میں تکلف اور بناوٹ اور محدود ذہنی کے نقائص موجود ہوں گے۔ اور "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" کے اصول پر اُن کی تراش خراش ہو گی اور مفردات کی طرح معیّن اور فصیح معنی اُن میں نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے سنسکرت کے ۵۰۰ دھاتوں کی امداد کے لئے ۲۵ کے قریب سابقے (Prefixes) اور ۲۰۰ کے قریب لاحقے (Suffixes) کام میں لائے گئے ہیں۔ اور اس طریق پر یہ زبان ایک تصنع اور بناوٹ اور انسانی ذہن کی کاوش کا نتیجہ ہے نہ کہ خداداد فصاحت و بلاغت کی حامل جو کہ مفردات کا خاصہ ہے۔ یہ مضمون ایک الگ مقالے کا طالب ہے لیکن ہزاروں میں سے چند مثالیں اس صنعت کاری کی یہاں درج کی جاتی ہیں۔

(a) DHAK-KHADA دانتوں کو ڈھانپنے والا یعنی ہونٹ (DHK ضاحك۔ دانت۔ خطاد ڈھانپنا) ظاہر ہے کہ یہ لفظ بنایا اور گھڑا گیا ہے اور (شفۃ۔ ہونٹ) کا بدل نہیں ہو سکتا۔

(b) DEH - رُوح کو چھپانے والا یعنی جسم۔ یہ مفہوم محض ایک خیال آرائی ہے (دحّ۔ چھپانا)

(c) KSHAP-ISA رات کا آقا یعنی چاند۔ (غسف۔ اندھیرا، عز۔ غالب آنا)

(d) TARA-RAM-ana تاروں سے محبت کرنے والا یعنی چاند (طرّ۔ چمکنا (ستارا) رام۔ خواہش لانا)

(ح) A S-Va دوڑنے والا یعنی گھوڑا (معنی دوڑنا)
خود اہلِ سنسکرت معترض ہیں کہ دوڑنے میں گھوڑے کی تخصیص کیوں؟ ظاہر ہے کہ یہ لفظ ایک مجہودِ ذہنی ہے۔

(خ) U-G چلانے والی یعنی گائے (G جّ چلانا بیل کا) سنسکرت والے خود معترض ہیں کہ چلانے کے لحاظ سے گائے کی پابندی یعنی چہ؟ اس کا جواب سنسکرت نہیں دے سکتی بلکہ عربی دے سکتی ہے کیونکہ جّ بیل کی آواز کے لئے عربی میں مخصوص لفظ ہے ؎

حدیثِ دلکش و افسانہ از افسانہ مے خیزد!

ف۔ دیکھئے یہ سنسکرت کا یک حرفی لفظ U-G عربی کی طرف لوٹ کر سہ حرفی ہو گیا اور نیز وجہ تسمیہ سے متصف ہو گیا یعنی لفظ U-G معنی بیل کا ڈکارنا۔

(g) ACHAR-ya جو اس قابل ہو کر چل کر اُس کے پاس جائیں یعنی اُستاد (سار۔ چلنا + یا سے قابلیت)

(گ) HADA چیخنے والا یعنی بیل (ندی۔ گونج)

(ق) DARP-ana رعونت پیدا کرنے والا یعنی آئینہ۔ (ترّف۔ سرکش بنانا) ایک پہلو سے یہ لفظ اچھی صنعت ہے۔ بہمل آئینے کے متعلق فرماتے ہیں ؎

تو رعونت بمن فزودستی
نیستم آنکہ تو نمودستی

(ژ) VIP ہلنا (پودہ) VIP-ana - ہلنا ہوا (یعنی جنگل بوجہ درختوں کے) خیر یہ تو ہوا۔ لیکن اسی رُوٹ سے ہے VIP-ra ہلایا گیا یعنی الہام پانے والا۔ وھف۔ ہلنا (پودہ)

(ہ) یہ تصنع اور مرکب الفاظ کی ساخت بعض دفعہ تفریط اختیار کر لیتی ہے۔ مثلاً ۲۹ حروف کا یہ ایک لفظ سنسکرت کا مایۂ ناز ہے:۔

VARSHA-RITU-MASA-PAKSHA-HO-VELA-DESA-PRA-DESA-VAT

اس لفظ کے اندر دراصل عربی کے گیارہ ثلاثی مادے سموئے گئے ہیں لیکن اس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ اس لفظ کے معنی ہیں۔ وہ شخص جو یہ بتا سکے کہ کونسا سال، موسم، مہینہ، پندرھواڑہ دن، وقت، ملک اور جگہ ہے۔ (دیکھو سنسکرت کی لغت مصنفہ میکڈانل صـ۲۷۱)

ف۔ اس قسم کے مطوّل الفاظ ویدوں میں بھی مستعمل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مندروں، پاٹ شالاؤں میں رہنے والے پنڈت صاحبان ایسے الفاظ اپنی طبع آزمائی کے لئے گھڑتے رہے۔ اور مذکورہ قسم کے سینکڑوں الفاظ ثبوت ہیں اس امر کا کہ ضروریات کے ہجوم کے وقت اور مفردات کی کمی کی وجہ سے ایسے الفاظ گھڑے گئے۔

عیبِ مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

مندرجہ بالا قسم کے الفاظ کو چھوڑ کر ایسے کثیر الفاظ بھی سنسکرت میں ہیں جو مفرداور خالص عربی

الفاظ ہیں جن میں کوئی تغیر بھی نہیں ہوا۔ بقول اُنکے :۔

ومنها ما بقيت على صورها الاصلية وما غيّرها حرّ هواجر الغربة۔

یعنی غیر زبانوں میں ایسے الفاظ بھی موجود ہیں جو اپنی اصلی صورتوں میں باقی رہے۔ اور پردیس کی دھوپ اور گرمی نے اُن کے چہروں کو متغیر نہیں کیا۔" (منن الرحمن ص۱۹)

بطور نمونہ سنسکرت کے چند ایسے الفاظ یہاں درج کئے جاتے ہیں :۔

سنسکرت		عربی
BHARC	چمکنا	برق ۔ چمکنا
KSHAL	دھونا	غسل ۔ دھونا
KSHOD	بھوک	قصد ۔ بھوک
KHEDA	تکان	کد ۔ تکان
KSHAP	پھینکنا ۔ گالی دینا	قذف ۔ پھینکنا ۔ گالی دینا
SAPA	لعنت کرنا	سبّ ۔ لعنت کرنا
SOS	خشک	شس ۔ خشک ہونا
STR	چُھپانا	ستر ۔ چُھپانا
VAS	چمکنا	بص ۔ چمکنا
KASA	چمک	غاث ۔ چمکنا
KSHA-ya	کم ہونا	خس ۔ کم ہونا
KAL-ya	صحت مند	قلة ۔ صحت
KUL	کنبہ	کل ۔ کنبہ
KAS	چلے جانا	قش ۔ چلے جانا
KRIVI	مُشک	قربة ۔ مُشک
ASA	راکھ	اس ۔ راکھ
GHARSA	چھیلنا	خرش ۔ چھیلنا
	کھُرچ نا چھیلنا (ہندی)	خرش ۔ چھیلنا

PIRTHU-1 ۔ چوڑی کی گئی یعنی زمین فرطح ۔ چوڑا کرنا

PIRTHU-1 بڑا فصیح ہے اور استشہاد کے طور پر بیان ہو چکا ہے

وقال الله تعالیٰ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا ۔ اِنَّ اَرْضَ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۔ ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ۔ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۔ كَيْفَ سُطِحَتْ ۔ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ ۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۔ ان آیات میں زمین کی وسعت اور چوڑائی مذکور ہے۔

فائدہ[1] ۔ تعجب ہے کہ میکسملر وغیرہ جو سنسکرت اور عربی زبانیں جانتے تھے ایسے صاف عربی الفاظ کو کس طرح نظر انداز کر گئے مگر اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی مصلحت کارفرما تھی۔

فائدہ[2] ۔ علامہ ابن جنیؒ کا احتمال جو نظریہ اوّل (ب) میں درج ہو چکا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علم اللسان کا مسلّم اصول ہے کہ جس زبان میں مترادفات کی کثرت ہو گی وہ قدیم تر زبان ہو گی۔ خاکسار نے "روشنی اور گرمی" کے مفہوم پر جو الفاظ مشتمل ہیں وہ مندرجہ بالا جو الیس زبانوں سے اخذ کئے تو کسی زبان میں دو[۲] کسی میں چار[۴] کسی میں دس[۱۰] یا پندرہ[۱۵] مترادف

الفاظ تھے اور کُل ایسے الفاظ عربی میں موجود پائے جن کی تعداد دو سو کے قریب بنتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے جیسا کہ منن الرحمٰن میں درج ہے کہ جب نسلِ انسانی دُنیا کے مختلف ممالک میں پھیلی تو جو سرمایہ اُمّ الالسنہ یعنی عربی سے اُن کے ہاتھ میں تھا وہی ان کی بولی کی بنیاد بنا دیا اسی بضاعت مزجاۃ سے انہوں نے تکلّف اور تصنّع سے نئے مرکّب لفظ گھڑے جیسا کہ سنسکرت کے مندرجہ بالا مصنوعی الفاظ سے ظاہر ہے کیونکہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے"۔ ہاں بعض الفاظ ایک سے زیادہ زبانوں میں مشترک ہیں جیسا کہ لفظ "خرش" اور "اس" وغیرہ۔ لیکن باقی زبانوں میں عربی کے اور مادوں پر یہ مفہوم مبنی ہوں گے مگر ہر ایک کا مادہ عربی ہی نکلے گا ؎

نہاں مرا کا تسکارا برند
بزگنجہ است اگرتا بخارا بوند

اسلئے یہ نظریہ درست نہیں کہ ایک ہی لفظ یا سارے عربی الفاظ مختلف زبانوں میں کیوں نہیں پائے جاتے؟

فائدہ ۳۔ اوپر درج ہوا ہے کہ مسلّمہ طور پر سنسکرت کے مادے پندرہ سو کے قریب ہیں جو عربی لغت کے ایک گوشے میں سما سکتے ہیں۔ اس کم مائگی کے باوجود اہلِ مغرب کا سنسکرت کو آرین زبانوں کی ماں قرار دینا صریحاً ایک غلو تھا اور "لالہ جی باغ میں تین پکا ئن" کا مصداق۔ مقامِ شکر ہے کہ اب مستشرقین اس نظریے کو خیرباد کہہ چکے ہیں لیکن زمانہ قبل از تاریخ میں ایک ایسی اُمّ الالسنہ کے وہ قائل ہیں جو شاید گُم ہو چکی ہے یا شاید دُنیا میں باقی ہے۔ انشاء اللہ اس نظریے سے بھی عربی کے حق میں انہیں دستکش ہونا پڑے گا ؎

چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند

فائدہ ۴۔ سنسکرت کے مندرجہ بالا الفاظ سب ثلاثی ہیں جس کی وجہ سے مستشرقین نے عربی کو درخورِ اعتناء خیال نہیں کیا تھا حالانکہ یہ ایک مستقل اور معیّن اور ناقابلِ تبدیل پیمانہ ہے یعنی عربی زبان کے سہ حرفی مادے۔

فائدہ ۵۔ سنسکرت زبان کی تقریباً ساری لغت کو عربی تک خاکسار پہنچا چکا ہے۔ اُوپر محض نمونہ کے طور پر الفاظ درج کئے گئے ہیں۔

فائدہ ۶۔ دنیا کی مختلف زبانوں کی لغتیں بالعموم عیسائی مشنریوں نے اپنی غرض کے لئے بنائیں مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھئے کہ وہ سب ہمارے لئے مسخر کی گئیں ؎

ایں سعادت چو بود قسمتِ ما
رفتہ رفتہ رسید نوبتِ ما

نہایت مافی الباب

سب سے پہلے قرآن حکیم نے یہ دعوےٰ کیا

(باقی آئندہ)

سورۃ المائدۃ ع ۱۲

البیان

قرآن مجید کا سلیس اردو ترجمہ مختصر اور مفید تفسیری حواشی کے ساتھ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ

اے ایماندارو! جو پاک چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال قرار دی ہیں انہیں اپنے لئے حرام مت ٹھہراؤ

وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَ كُلُوْا مِمَّا

اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ تم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ

میں سے حلال اور طیب کھاؤ۔ اور اسی اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس پر تم

تفسیر۔ اس رکوع کی پہلی آیت میں یہ قانون بیان ہوا ہے کہ چیزوں کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے وہی خالق اور مالک ہے وہی بتا سکتا ہے کہ کونسی چیز مومن کے لئے حلال ہے اور کونسی حرام۔ فرمایا کہ مومنوں کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کریں۔ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے وہ بہرحال پاکیزہ ہیں اور حلال ہیں ان میں سے کسی چیز کو حرام ٹھہرانا جائز نہیں بلکہ یہ صریح زیادتی ہے اور اپنے مقام سے تجاوز ہے۔ مومن کے لئے ہرگز روا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دے۔ جو لوگ ایسی تعدّی کی راہ اختیار کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں ہیں۔

دوسری آیت میں مومنوں کو حلال و طیّب اشیاء کے استعمال کرنے کا حکم دیا ہے۔ ماکولات میں سے بھی وہی چیزیں کھانی چاہئیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ہو اور وہ انسان کے لئے اس کی جسمانی حالت

مُؤْمِنُوْنَ ○ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ

ایمان لاتے ہو تمہاری قسموں میں سے لغو پر اللہ تعالیٰ مؤاخذہ نہیں کرے گا البتہ وہ

يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ج فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ

اُن قسموں (کے توڑنے) پر مؤاخذہ کریگا جنہیں تم نے پختہ طور پر سمجھ کر کھایا ہے۔ پس ایسی قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اس

مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ

اوسط درجہ کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا دس مسکینوں کو کپڑے دیئے جائیں یا

تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ط فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ط ذٰلِكَ كَفَّارَةُ

ایک گردن (غلام) کو آزاد کیا جائے۔ جو شخص ان کفارہ جات میں سے کسی کے ادا کرنے کی توفیق نہ پائے اسکے ذمہ تین دن کے روزے ہونگے۔ یہ تمہاری

اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ط كَذٰلِكَ

قسموں کا کفارہ ہے جب تم حلف اٹھاؤ۔ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اسی طرح

کے لحاظ سے بھی موزوں و مناسب (یعنی طیّبہ) ہوں۔ تقویٰ کے حصول اور اس کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ انسان کھانے پینے میں بھی احکام خداوندی کی پوری پوری پابندی کرے۔ حلال جو چیز از روئے قانونِ الٰہی جائز ہو۔ طیّب جو انسان کے مزاج اور اس کی طبیعت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو پس ہر حلال چیز ہر شخص کے لئے ہر وقت طیّب نہیں ہوتی۔

تیسری آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو کھانے پینے کی اشیاء یا دیگر امور میں قسمیں کھا لیا کرتے ہیں۔ فرمایا لغو قسموں پر تو کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا البتہ پوری سمجھ سے دل کی عزیمت کے ساتھ کھائی گئی قسم کا کفارہ ضروری ہے۔ لغو قسموں سے مراد وہ قسمیں ہیں جو لوگ بطور عادت واللہ باللہ کہتے رہتے ہیں یا غیظ و غضب وغیرہ کی وجہ سے مدہوشی کے عالم میں کھا لی جاتی ہیں یا جو قسم کسی کے مجبور کرنے پر کھائی جائے یہ سب لغو قسمیں ہیں۔ اصل قسم جو باہوش و حواس سوچ سمجھ کر کھائی جائے اسکے توڑنے پر کفارہ لازم آتا ہے۔ کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو اپنے معیار کے مطابق کھانا کھلایا جائے یا انہیں کپڑے مہیا کئے جائیں یا پھر کوئی غلام یا لونڈی آزاد کی جائے۔ ان مسکینوں اور آزاد کئے جانے والے غلام کے لئے مسلمان ہونا

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام کو بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکرگزار بنو۔ اے

اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ

مومنو! شراب، جُوا بازی، تھانوں پر چڑھاوے اور جوئے کے تیر

مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا

محض شیطان کے ناپاک کام ہیں ان میں سے تم ہر ایک سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ

شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض

فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ج

پیدا کرتا رہے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روکے۔

شرط نہیں ہے۔ اگر کوئی مومن ان میں سے کوئی کفارہ بھی ادا نہ کر سکے تو اُسے قسم توڑنے کا کفارہ تین روزوں کی صورت میں ادا کرنا چاہیئے۔ یہ روزے مسلسل اور متواتر رکھنے لازمی نہیں۔

آخری حصۂ آیت میں تاکید کی گئی ہے کہ اوّل تو قسم کھانے میں بڑی احتیاط کیا کرو۔ قسم کھانے کو معمولی بات نہ سمجھو اور پھر جب قسم کھا لو تو حتی الوسع اس کا پاس کرو اور یونہی نہ توڑ دیا کرو۔

چوتھی اور پانچویں آیات میں شریعت کے احکام کی پابندی اور نماز سے روکنے والی چیزوں میں سے خاص طور پر شراب، جوئے بازی، چڑھاووں اور جوئے کے تیروں کا ذکر فرمایا۔ انہیں شیطان کی کارستانی قرار دیا اور ان سے اجتناب کا حکم دیا۔ یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ اس طریق سے شیطان تمہارے درمیان باہم عداوت اور دشمنی پیدا کرنا چاہتا ہے اسلئے تمہیں شراب وغیرہ سے کلیۃً رُک جانا چاہیئے۔

چھٹی آیت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرنے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ رسول کی اصل ذمہ داری اتنی ہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام واضح طور پر پہنچا دے سو

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

پس کیا تم (شراب اور جُوئے سے) باز آنے والے ہو؟ تم اللہ کی اطاعت کرو۔ رسولؐ کی فرمانبرداری کرو

وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ

اور (ہر لغزش سے) چوکس رہو۔ اگر تم نے پیٹھ پھیر لی تو تمہیں جاننا چاہیئے کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف کھول کر (احکام الٰہیہ کو)

الْمُبِيْنُ ○ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ

پہنچا دینا ہی ہے۔ ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان چیزوں کے بارے میں کوئی گناہ نہیں

فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا

جو پیشتر ازیں وہ کھاتے رہے ہیں جبکہ وہ تقویٰ اختیار کرلیتے ہیں اور ایمان لاتے اور اعمالِ صالحہ بجا لاتے ہیں پھر وہ تقویٰ (میں ترقی)

وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ ع ۱۲/۲

اور ایمان میں پختگی اختیار کرتے ہیں پھر تقویٰ میں مزید ترقی اختیار کرکے احسان کے مقام کو حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام نیکو کاروں سے محبت کرتا ہے۔

اس نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اب اگر تم اعراض کرتے ہو، عمل سے گریز کرتے ہو تو اس کی ذمہ داری تم پر آئیگی اسلئے ہر لغزش سے بچنے کی کوشش کرو اور نہایت چوکسی سے زندگی بسر کرو۔

ساتویں آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو اسلام سے پیشتر حالتِ کفر میں وہ اشیاء بھی کھاتے رہے جو اسلام میں حرام اور ناجائز ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں پر پہلے کے اعمال کی وجہ سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ ان کا فرض یہی ہے کہ ایمان لا کر عمل صالح کریں، تقویٰ سے زندگی بسر کریں۔ پھر تقویٰ کے اعلیٰ مدارج کے حصول کیلئے کوشاں رہیں اور تقویٰ کے بلند ترین مقام احسان کو حاصل کریں۔ جبکہ انسان اپنی زندگی پورے طور پر حکم الٰہی کے مطابق بنی نوع انسان کے لئے صرف کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت حاضر ناظر جانتا ہے اور ہر وقت اپنے آپ کو اس کے حضور یقین کرتا ہے۔ ایسے انسان اپنی زندگی کے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ۔ آمین +

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر اور قرآن حکیم

(از قلم جناب شیخ عبد القادر صاحب محقق عیسائیت۔ لاہور)

ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ تورات اور قرآن حکیم اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ساڑھے نو سو برس ہوئی ہے۔ اب تاویل کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اگر تورات کی روایت کی تردید مقصود تھی تو قرآن حکیم میں

فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ
اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا

کے الفاظ نہ ہوتے معلوم یہ ہوتا ہے کہ تردید نہیں بلکہ تائید مقصد ہے۔ آخر ہمارے پاس کونسا قرینہ ہے کہ جس سے ہمیں معلوم ہوا کہ یہاں ۹۵۰ برس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت کی عمر ہے یعنی نوحؑ کا دور مراد ہے نہ کہ ذاتی عمر؟

اس سوال کے جواب میں اوّل تو یہ امر قابلِ غور ہے کہ جو لوگ آیتِ قرآنی سے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر مراد لیتے ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ آپ کی عمر ۹۵۰ برس تھی، وہ تو کہتے ہیں کہ آپ ۹۵۰ برس کے تھے کہ طوفان آیا کیونکہ آیت مندرجہ بالا کے آگے

فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ

کے الفاظ سے وہ استدلال کرتے ہیں۔ گویا ساڑھے نو سو برس حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں رہے۔ پھر طوفان آیا۔ تورات میں لکھا ہے کہ طوفان کے بعد ساڑھے تین سو برس آپ زندہ رہے الفاظ یہ ہیں:-

"اور طوفان کے بعد نوح ساڑھے تین سو برس اور جیتا رہا" (پیدائش ۹/۲۸)

اس حساب سے حضرت نوح علیہ السلام کی عمر تیرہ سو سال بنتی ہے۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا انتقال ہوا۔

حضرت آدم علیہ السلام کا زمانہ چار ہزار قبل مسیح ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ تین ہزار قبل مسیح اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ دو ہزار قبل مسیح۔ ان سنین کے پیشِ نظر حضرت نوح علیہ السلام کی تاریخ وفات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد متعین ہوگی۔ اندریں صورت ہمیں ماننا ہوگا کہ آلِ ابراہیمؑ نے حضرت نوح علیہ السلام کی نمازِ جنازہ ادا کی اور اپنے ہاتھوں قبر میں اُتارا۔

اگر یہ بات بالبداہت غلط ہے تو پھر ہمیں ماننا ہوگا کہ آیتِ قرآنی کے سمجھنے میں کچھ ابہام ہے۔ بہرحال تورات اور قرآن حکیم تو متفق نہ ہوئے۔

تورات بتاتی ہے کہ نوح علیہ السلام کی کُل عمر ۹۵۰ برس تھی (پیدائش ۹/۲۹) مفسرین کے نزدیک قرآن حکیم نے بتایا ہے کہ طوفان تک ۹۵۰ برس عمر ہو چکی تھی۔ طوفان کے بعد بھی حضرت نوحؑ ۳۵۰ سال زندہ رہے۔

فرمائیے تورات اور قرآن حکیم متفق کیسے ہوئے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۷۵ برس تھی۔ اگر طوفان کے پچاس برس بعد حضرت نوح علیہ السلام کی وفات سمجھی جائے تو پھر بھی ماننا ہوگا کہ خلیل اللہؑ کے حینِ حیات حضرت نوح علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ یہ امر بھی قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ قرآن حکیم نے بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ایک لمبا عرصہ اُن کا سلسلہ چلا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ اس عرصہ میں کون کون سی قوم اُبھری اور ختم ہوگئی۔ پھر فرمایا نوحؑ کے بعد اور خلیل اللہ کی بعثت سے پہلے کئی پیغمبر آئے۔ (المؤمنون ع ۲و۳) یہ کہیں ذکر نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی میں ہی ھُود آگئے تھے، صالحؑ پیدا ہوگئے اور اُن کے حینِ حیات ہی خلیل اللہ پیدا ہوگئے تھے۔ مفسرین کی بات اگر مان لی جائے تو بہت سی مشکلات ہیں جن سے پیچھا چھڑانا ممکن نہیں۔

تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی گیارھویں پشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے یعنی نوحؑ کی پیدائش کے ۸۹۲ سال بعد۔ اگر حضرت نوحؑ کی عمر ہزار سال یا تیرہ سو سال تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں نوحؑ کی وفات ماننا ہوگی یا حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں۔ مفسرین نے کبھی حساب لگا کر نہیں دیکھا ورنہ وہ اپنے معنوں پر اصرار نہ کرتے۔

قرآن حکیم نے واضح طور پر بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بہت سی قومیں پیدا ہوئیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آیا۔ نوحؑ کی اولاد باقی رہی۔ نوحؑ کی بقا کا کہیں ذکر نہیں۔ الصّٰفّٰت میں فرمایا:-

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ
الْمُجِيْبُوْنَ ٥ وَ نَجَّيْنٰهُ وَ
اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ٥
وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ٥
وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ٥
سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ٥
(الصّٰفّٰت ع ۳)

ترجمہ "اور ہمیں نوح نے بھی پکارا تھا اور ہم بڑا اچھا جواب دینے والے ہیں۔ اور ہم نے اس کو بھی اور اس کے اہل کو بھی بڑی گھبراہٹ سے نجات دی تھی اور صرف اس کی اولاد کو ہی دنیا میں باقی رکھا تھا اور اس کے بعد آنے والی قوموں میں اس کا ذکرِ خیر قائم رکھا تھا۔ تمام قوموں کی طرف سے نوح پر سلامتی کی دعا ہو رہی ہے"

آگے چل کر ذکر ہے:-

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ

ظاہر ہے کہ نوح علیہ السلام کی زندگی میں خلیل اللہؑ پیدا نہیں ہوئے بلکہ آپ کے بہت بعد آپ کی ذریتِ طیبہ میں ابراہیمؑ پیدا ہوئے۔

سورۃ الانعام میں ارشاد ہے:-
"ہم نے اس کو (یعنی ابراہیمؑ کو)

اسحٰق اور یعقوب دیئے تھے ہم نے
(ان) سب کو ہدایت دی تھی اور
اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت
دی تھی" (آیت ۸۵)
نُوْحًا ھَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ سے ظاہر ہے کہ
حضرت نوح علیہ السلام کی وفات حضرت ابراہیم
علیہ السلام کے بعد نہیں ہوئی بلکہ بہت پہلے ہو چکی تھی۔
سورہ نساء میں فرمایا:۔
اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ
اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ
وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَ
اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ
وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ
وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ
وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝
(سورہ نساء ع ۲۳)

اگر نوح علیہ السلام کی عمر ۱۳۰۰ برس تھی تو
ماننا پڑے گا کہ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور
دیگر انبیاء علیہم السلام سب کے سب ان کی زندگی
میں آئے بعد میں آنیوالے نہیں ہو سکتے۔
الغرض قرآنی تقویم ہمیں اجازت نہیں دیتی
کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اتنی لمبی عمر فرض کر لی جائے۔
یہ مسلمہ ہے کہ عصر آدم سات ہزار سال پر مشتمل
ہے۔ سورہ العصر کے اعداد میں آدم کی پیدائش سے
لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک بحساب
قمری ۴۷۳۹ سال کا زمانہ مضمر ہے حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کو الہاماً اس حقیقت کا علم دیا گیا۔ گویا آدمؑ
۴۷۳۹ قبل ہجری پیدا ہوئے تھے۔ نوحؑ آدمؑ کی
دسویں پشت میں ہوئے۔ ابراہیمؑ نوحؑ کی گیارھویں
پشت میں۔ ان سنین کی رو سے حضرت نوح
علیہ السلام کی عمر اگر تیرہ سو سال فرض کر لی جائے تو
ماننا ہوگا کہ نوحؑ سے لیکر حضرت یوسف علیہ السلام
کے زمانہ تک کے سب پیغمبر آپ کی زندگی میں
مبعوث ہوئے تھے۔ حالانکہ قرآن حکیم میں ہے کہ وہ
سب نوحؑ کے بعد آئے۔ متشابہات کو محکمات کے
تابع رکھنا چاہئے۔ محکم بات یہی ہے کہ نوحؑ کے
بعد باقی پیغمبر آئے ہیں نہ کہ زندگی میں۔
اب آیئے زیر نظر آیت قرآنی پر غور کریں۔
فرمایا:۔
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ
فَلَبِثَ فِیْھِمْ اَلْفَ سَنَۃٍ
اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا۔
(العنکبوت آیت ۱۵)
اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف
بھیجا تھا پس وہ ان میں نو سو پچاس
سال تک رہے۔
تورات میں لکھا ہے:۔
" اور طوفان کے بعد نوح ساڑھے تین سو
برس اور جیتا رہا۔ اور نوح کی کل عمر ساڑھے
نو سو برس کی ہوئی تب اس نے وفات

باقی" (پیدائش ۹ / ۲۸-۲۹)
تورات میں نوحؑ کی عمر اور وفات کا ذکر ہے
قرآن حکیم میں محض لَبِثَ فِيْهِمْ ہے، یعنی ان میں رہا۔
لغت کی رُو سے لبث کے معنے صرف رہنے کے ہیں۔
یہ ضروری نہیں کہ لبث سے مراد ذاتی زندگی ہی ہو
مرنے کے بعد بھی رہنے پر یہ مادہ مستعمل ہے۔ حضرت
یونس علیہ السلام کے متعلق فرمایا:۔

فَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ إِلٰى يَوْمِ
يُبْعَثُوْنَ (الصّٰفّٰت آیت ۱۴۵)
اگر یونس تسبیح کرنے والوں میں سے
نہ ہوتا تو اس مچھلی کے پیٹ میں
قیامت کے دن تک پڑا رہتا۔

سورۃ الروم میں لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ
إِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ (آیت ۵۷) تم اللہ کے حساب
میں دنیا میں یوم بعث تک رہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں
لبث کا لفظ زندہ یا مُردہ دونوں صورتوں میں پڑے
رہنے کے لئے آیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی
قوم میں ساڑھے نو سو برس رہے۔ یہاں ضروری نہیں کہ
یہ مراد ہو کہ وہ زندہ رہے تھے بلکہ نبوت کا دَور
مراد ہے جو کہ وفات کے بعد خلفاء کے ذریعہ ممتد
ہو جاتا ہے۔

ایک پیغمبر کے متعلق وارد ہوا ہے:۔
بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ
یہاں بھی زندگی مراد نہیں بلکہ سو سالہ کشفی دَورِ ممات
مراد ہے۔ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا (۲۰: ۱۰۸) میں
دس صدیوں کا دَور مراد ہے۔

الغرض مطلق لَبِثَ فِيْهِمْ سے یہ مراد نہیں
ہو سکتا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر اس وقت ۹۵۰
برس تھی۔ اگر عمر ظاہر کرنا مقصود ہوتا تو فَقَدْ لَبِثْتُ
فِيْكُمْ عُمُرًا —— اور وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ
عُمُرِكَ سِنِيْنَ کی طرح لبث کے ساتھ عمر کا
لفظ زائد ہوتا۔ چونکہ قرآن حکیم میں لَبِثَ فِيْهِمْ ہے
اس کے ساتھ عمر کی تخصیص نہیں۔ اس سے اشارہ ملتا
ہے کہ یہاں دَورِ نبوت مراد ہے نہ کہ ذاتی عمر۔
وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ
سِنِيْنَ (۱۸: ۲۶) میں بھی تین صدیوں پر مشتمل دَور
مراد ہے۔ مختصر یہ کہ جس طرح إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا
عَشْرًا میں دس صدیوں کا دَور مراد ہے۔ اسی
طرح یہاں ۹۵۰ سال کا دَور مراد ہے نہ کہ عمر۔

ایک ہزار سالہ عمر کے لئے قرآن حکیم میں
لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ (۲: ۹۷)
کے الفاظ آئے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام والی آیت
میں عمر کا لفظ نہیں بلکہ صرف لَبِثَ فِيْهِمْ ہے۔
قرآنی اسلوب صاف بتا رہا ہے کہ یہاں ذاتی عمر
مراد نہیں بلکہ دَورِ نبوت مراد ہے۔

اس موقع پر ایک ابہام کا ازالہ ضروری ہے۔
پہلے آیت درج ذیل ہے:۔
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوْحًا إِلٰى قَوْمِهٖ
فَلَبِثَ فِيْهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا
خَمْسِيْنَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ

الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ...الخ

اِس آیت سے استدلال یہ کیا جاتا ہے کہ طوفان کے وقت حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال تھی کیونکہ اس مدت کے تسلسل میں طوفان آنے کا ذکر ہے۔

اِس آیت کا صحیح مفہوم درج ذیل ہے :-

"اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا پس وہ ان میں (اپنے سلسلہ خلافت کے ذریعہ) نوسو پچاس سال تک رہا۔ سو (ہوا یوں کہ) اس کی قوم کے لوگوں کو طوفان نے آلیا اور وہ ظالم تھے۔ پس ہم نے اس کو اور اس کی کشتی میں بیٹھنے والے ساتھیوں کو نجات دی اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان کے لوگوں کے لئے ایک نشان بنا دیا۔"

گویا پہلے یہ ذکر فرمایا کہ نوح کا دور ۹۵۰ سال تک ممتد رہا ہے۔ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ سے اس قوم کی تاریخ بیان کی ہے یعنی یہ وہ لوگ تھے جنہیں طوفان نے آلیا تھا جس سے مومنین بچا لئے گئے۔

اسی قسم کا اسلوب قرآن حکیم میں ایک دوسری جگہ بھی ہے۔ فرمایا :-

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ ۚ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝

(الشعراء ع ۴)

"تب ہم نے آل فرعون کو باغوں چشموں خزانوں اور عزت والے ملک سے نکال دیا۔ ایسا ہی ہوا اور ہم نے ان کا وارث بنی اسرائیل کو کر دیا۔ پھر صبح کے وقت وہ (یعنی فرعون اور آل فرعون بنی اسرائیل کو روکنے کے لئے) ان کے پیچھے چل پڑے۔ پھر جب دونوں گروہ ایک دوسرے کے سامنے ہوئے تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو پکڑے گئے۔"

ان آیات میں پہلے معرکہ حق و باطل یعنی بنی اسرائیل اور فرعون کی آویزش کا نتیجہ بتا دیا۔ پھر فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ میں تفصیل بیان ہونا شروع ہوئی۔ پس کلمہ "ف" ضروری نہیں کہ تاریخی ترتیب کے لئے آئے بلکہ گزشتہ واقعات کے تسلسل کو قائم کرنے کے لئے رابطہ کی خاطر بھی آتا ہے۔ حکیمانہ کلام میں پہلے کسی واقعہ کا نتیجہ بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً "کولمبس روانہ ہوا اور اس نے امریکہ دریافت کر لیا"۔ اب رابطہ کے لئے کلمہ ف آئے گا اور کولمبس کی مہم کی تفصیل بیان ہو گی۔ بالکل یہی صنعت حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر میں ہمیں ملتی ہے۔

"اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی
طرف بھیجا تھا پس وہ ان میں نوسو پچاس
سال تک رہا"

اس کے بعد فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ سے اصل قصہ اور اس کی تفصیل بیان کر دی گئی۔ یہ ایک حکیمانہ انداز ہے جس میں کام اور اس کا نتیجہ پہلے بیان کر دیا جاتا ہے اور واقعہ کی تفصیل بعد میں۔

سورۃ اعراف میں ہے:۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا
فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا (پ۸)

اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے انہیں
ہلاک کر دیا سو ہمارا عذاب اُن پر
رات کے وقت آیا۔۔۔۔۔ الخ

یہاں بھی فَ ترتیب کے لئے نہیں بلکہ رابطہ کے لئے ہے۔ پس یہ کلیہ نہیں کہ فَ ہر حال میں تاریخی ترتیب کے لئے آتا ہے۔ پہلے بیان کو جوڑنے کے لئے بھی آتا ہے جسے اصطلاح میں ترتیب بیان کہتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر میں پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اور اس کی برکات کے ممتد ہونے کا ذکر ہے پھر طوفان کی تفصیل ہے اور مومنین کے بچائے جانے کا ذکر ہے۔ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ میں کلمہ "ف" پہلے بیان کو جوڑنے کے لئے آیا ہے۔

کتباتِ بابل میں طوفانِ نوح کا ذکر ملتا ہے۔ ان میں بھی آسمانی بادشاہت کے تسلسل کا بیان ملتا ہے۔ لکھا ہے:۔

"طوفان آیا۔ طوفان کے بعد بادشاہت
آسمان سے زمین پر اُتاری گئی"
(تاریخ اشوریہ از سمتھ)

اسی بادشاہت کے شہزادہ نبی نوح علیہ السلام تھے۔ جو اپنے وجود اور اپنے اظلال کے ذریعہ ۹۵۰ سال تک قوم میں رہے۔

سوال

اس باب میں ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ اگر لَبِثَ فِیْهِمْ سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی عمر نہیں بلکہ ان کا دورِ نبوت ہے تو اس میں حضرت نوحؑ کی کیا خصوصیت ہے ہر نبی کا ایک دور ہوتا ہے صرف حضرت نوحؑ کے لئے یہ کیوں وارد ہوا کہ وہ اپنی قوم میں ۹۵۰ سال تک رہے؟

الجواب

قرآن حکیم کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ کتاب مذاہبِ عالم کے اختلافات میں حَکَم بن کر نازل ہوئی۔ اساطیرِ بابل میں ہے کہ طوفان کے بعد صاحبِ سفینہ اپنی رفیقۂ حیات سمیت دِلمون (یعنی جنّتِ ارضی) میں بس گیا۔ اور یوں اسے حیاتِ جاوید حاصل ہو گئی۔ اہل کتاب نے بتایا کہ نوحؑ کی عمر ۹۵۰ سال تھی اور یہ بھی بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نوحؑ کی پیدائش کے ۸۹۲ سال بعد پیدا ہوئے۔ گویا خلیل اللہ کی زندگی میں نوحؑ فوت ہوئے۔ اِس مشکل کے ازالہ کے لئے عیسائی علماء نے یہ حل پیش کیا کہ تورات میں آباء قدیم کی بہت طویل عمریں بیان ہوئی ہیں۔ اس سے مراد ذاتی عمر نہیں بلکہ اُن کے خاندانوں کی عمر ہے جیسے تورات کے مرتّبین

نے ذاتی عمر سمجھ لیا۔ نوحؑ کی عمر ۹۵۰ سال نہیں تھی بلکہ خاندانِ نوح کی عمر ۹۵۰ سال تھی (بائیبل ڈکشنری ازجان ڈی ڈیوس زیر لفظ کرونولوجی و نوح)

گویا کسی نے نوحؑ کو حیاتِ جاوید پانے والا بنا دیا اور کسی نے غیر معمولی عمر پانے والا۔ قرآن حکیم نے متعدد آیات میں یہ واضح کیا ہے کہ نوحؑ سے ابراہیم علیہ السلام تک کے انبیاء حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی میں نہیں آئے بلکہ اُن کی وفات کے بعد آئے ہیں "مِنْ قَبْلُ" و "مِنْ بَعْدِ" کے الفاظ میں اشارہ ہے کہ حضرت نوحؑ کے بعد و حضرت ابراہیمؑ سے قبل متعدد پیغمبر آئے ہیں۔ یہ محکم آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے بہت عرصہ قبل حضرت نوحؑ فوت ہو چکے تھے۔ گویا قرآن حکیم نے اشارہ فرما دیا کہ اہلِ بابل کا یہ خیال صحیح نہیں کہ حضرت نوحؑ زندۂ جاوید ہیں۔ نیز یہ حکیمانہ اشارہ بھی فرمایا کہ تورات کی وہ تقویم بھی غلط ہے جس کی رُو سے حضرت نوحؑ، خلیل اللہؑ کے دَور میں زندہ نظر آتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ حضرت نوحؑ کی عمر نہیں بلکہ اُن کا لَبِث ۹۵۰ سال کا تھا۔ لَبِث کے لئے قرآنی آیات میں یہ وضاحت موجود ہے کہ اس کے لئے زندہ رہنا ضروری نہیں۔ حیات و ممات پر مشتمل دَور کے لئے بھی یہی لفظ آیا ہے۔ ہاں جہاں عمر بتانا مقصود ہے وہاں

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا (۱۰ : ۱۷)

وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ (۲۶ : ۲۰)

کے الفاظ آئے ہیں۔ جہاں دَور مراد ہے وہاں اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ہے یعنی ہم محض دس صدیاں رہے۔ اِس اسلوب سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن حکیم نے اہلِ بابل اور اہلِ کتاب کے نظریات کی طرف حکیمانہ اشارہ کیا ہے کہ وہ صحیح نہیں ہیں۔ گویا یہ ضرورت اسلئے پیش آئی تھی کہ عمرِ نوحؑ کے متعلق اساطیرِ مذاہب میں اختلاف موجود تھا۔ ضروری تھا کہ صحیح بات پیش کر دی جائے۔ بہر کیف عمرِ نوحؑ ایک متشابہ امر ہے اسے محکم آیاتِ قرآنیہ کے تابع رکھنا چاہیئے۔ محکم آیات میں ہے کہ عاد خلفاءِ قومِ نوحؑ تھے اُن کی طرف رُسُل مبعوث ہوئے۔ پھر ثمود ہوئے انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کا دَور آیا۔ فرمایا درمیانی پیغمبر نوحؑ کے بعد اور ابراہیمؑ سے قبل آئے تھے۔ اگر اس دَور میں حضرت نوحؑ زندہ تھے تو بعد اور قبل کے لفظ غیر ضروری تھے۔ وہ تو زندگی میں آئے تھے نہ کہ وفات کے بعد۔

مختصر یہ کہ ۹۵۰ سال مدّتِ لبث اسلئے بیان ہوئی کہ تورات میں اسے مدّتِ حیات بتایا گیا تھا۔ اِس سے تورات کی تردید مقصود تھی نہ کہ تائید۔

دُعائے مغفرت و بلندیٔ درجات

محترم شیخ محمد یوسف صاحب تاجر چرم لائلپور کی اہلیہ محترمہ وفات پا گئی ہیں۔ مرحومہ نہایت مخلص خاتون تھیں احباب انکی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دعا فرمائیں۔ (ادارہ)

کشف المحجوب کے حوالہ کے بارے میں

(از قلم جناب ڈاکٹر حافظ محمد اسحاق صاحب خلیل زیورچ۔ سوئٹزرلینڈ)

مبلغ اسلام جناب مشتاق احمد صاحب باجوہ امام مسجد محمود زیورک نے الفرقان ماہ مارچ ۱۹۷۱ء کا پرچہ موصول ہوتے ہی میری توجہ امام مسجد اہلحدیث سرگودھا کی قابلِ قدر تقریظ کی طرف دلائی جو انہوں نے میرے مضمون "فیضانِ نبوت جاری ہے" پر الفرقان میں شائع کروائی ہے۔ اس بارے میں عاجز کا حسب ذیل جواب شائع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

جیسا کہ خاکسار نے اپنے مضمون میں حوالہ درج کیا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کی عبارت (جس پر عاجز نے فیضانِ نبوت کے جاری ہونے کی بنیاد رکھی ہے) کشف المحجوب کے انگریزی ترجمہ سے اردو میں نقل کی گئی ہے۔ اصل انگریزی عبارت ہیں جو فارسی زبان سے ترجمہ کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ:-

"EVERY PROPHET IS A SAINT BUT SOME SAINTS ARE NOT PROPHETS"

(ملاحظہ ہو انگریزی ترجمہ صفحہ ۲۳۶)

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ پروفیسر نکلسن نے سب سے پہلے ۱۹۱۱ء میں چھپوایا تھا۔ دوسرا ایڈیشن پھر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پروفیسر نکلسن نے جس فارسی نسخہ سے انگریزی ترجمہ کیا ہے وہ کشف المحجوب کے لاہور والے خطی نسخہ سے غالباً پرانا ہے جس کا حوالہ جناب حافظ محمد ابراہیم صاحب نے الفرقان میں درج کیا ہے اور یہ امر بعید از امکان نہیں کہ لاہور سے کئی سال بعد شائع ہونے والے نسخہ میں عبارت مختلف ہو۔ یا اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ اصل عبارت وہی ہے جو حافظ صاحب نے لاہور والے فارسی نسخہ سے درج کی ہے تو بھی ہمارے اس استدلال پر کہ فیضانِ نبوت جاری ہے کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ حضرت علی ہجویریؒ کا یہ ارشاد جو یہاں محلِ استدلال ہے وہ اصل فارسی زبان میں یہ ہے کہ:-

"انبیاء را فضل تر انداز اولیاء
از آنچہ نہایت ولایت بدایت
نبوت بود و جملہ انبیاء ولی باشند
اما از اولیاء کسے نبی نہ باشد"

واضح رہے کہ مصنف کشف المحجوب نے یہ نہیں فرمایا کہ "از اولیاء کسے نبی نہ گردد" بلکہ ارشاد یہ ہے کہ "از اولیاء کسے نبی نہ باشد" —— اس ارشاد سے

واضح ہوتا ہے کہ انبیاء کے لئے اولیاء ہونا ضروری ہے (جملہ انبیاء ولی باشند) مگر سارے اولیاء نبی نہیں ہوتے' ہاں بعض ہو سکتے ہیں۔ اس ارشاد کی تفسیر اس مثال سے ہو سکتی ہے کہ ہر شخص جو ایم۔ اے پاس ہے وہ بی۔ اے بھی ہوتا ہے کیونکہ صرف بی۔ اے پاس ہی ایم۔ اے ہو سکتا ہے اس کے برعکس واضح ہے جو بی۔ اے پاس ہے اسے ایم۔ اے ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ ہر چند کہ اگر ایک شخص جو بی اے پاس ہے وہ ایم اے ہو سکتا ہے اور صرف اسی کے لئے یہ دروازہ کھلا ہے دوسروں کے لئے نہیں۔

واضح ہو کہ یہ استدلال عاجز نے کسی مباحثہ یا مناظرہ کے خیال سے نہیں لکھا بلکہ اس ارشادِ قرآنی وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا کو مدِ نظر رکھ کر یہ سطور لکھی ہیں۔ جب راقم الحروف اس نفسِ مضمون پر غور کر رہا تھا تو اتفاق سے یہاں کے بعض ترک احباب کے ہاں جانے کا موقعہ ملا جو سوئٹزرلینڈ کے شہر SOLOTHURN میں رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تصنیف مکتوبات کا عربی ایڈیشن مطبوعہ استنبول دکھایا۔ اس کتاب کو دیکھتے ہوئے میری نظر مکتوب نمبر ۳۰۱ پر گزری جس میں لکھا ہے کہ اولیاء کو نبوت کے کمالات حاصل ہو سکتے ہیں۔ جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ نکلسن والا ترجمہ بہر صورت مفہوم کے لحاظ سے غلط نہیں۔ اور پھر مکتوب ۳۰۱ حضرت مجدد الف ثانی کو کشف المحجوب کی عبارت کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں مقامات پر ایک ہی مضمون بیان ہوا ہے یعنی اولیاء کے مدارج کا ارتقاء و انتہا نبوت ہے۔ یہ عجیب بات ہو گی کہ اولیاء کے لئے مجاہدات کے راستے تو کھلے رہیں لیکن ان کے لئے مدارجِ ولایت کی تکمیل پر پہنچنے کی راہ یعنی ظلی نبوت اور نبوتِ ولایت بند کر دی جائے۔

افسوس کہ نکلسن نے جس فارسی نسخہ سے انگریزی ترجمہ کیا ہے وہ باوجود کوشش کے مجھے دستیاب نہیں ہو سکا۔ ممکن ہے کہ مذکورہ نسخہ برٹش میوزیم یا انگلستان میں کسی جگہ موجود ہو اور جونہی مجھے یہ نسخہ ملا جناب حافظ صاحب کو مزید تحقیق کے نتائج بذریعہ الفرقان پیش کر دیئے جائیں گے کہ آیا لاہور والے نسخہ کی عبارت غلط ہے یا نکلسن کا ترجمہ مفہوم کے لحاظ سے کیا گیا ہے؟

یہاں مثنوی مولانا روم کا مندرجہ ذیل شعر بھی قابلِ غور ہے جس میں یہی مضمون ادا ہوا ہے ؎

فکر کن در راہِ نیکو خدمتے
تا نبوت یابی اندر امتے

اسی طرح نکلسن کے انگریزی کا ترجمہ کی فوٹو کاپی بھی آپ کو اس عریضہ کے ساتھ روانہ کر رہا ہوں حافظ صاحب کو ضرور بھجوا دیں۔ یہ بھی گزارش ہے کہ کشف المحجوب کی عبارتِ مذکورہ کا سیاق و سباق ملحوظ رکھنا ضروری ہے چنانچہ وہ سیاق و سباق یہ ہے:۔

" وانبیاء فاضل ترا نداز اولیاء ازانچہ

نہایتِ ولایت بدایتِ نبوّت بود۔ وجملہ انبیاء ولی باشند اِلّا از اولیاء کسے نبی نباشد۔۔۔۔ واندر آنچہ ایں گروہ را حال است آں گروہ را مقام است۔۔۔۔۔ دہیچ کس از علماء اہلِ سنّت و محقّقانِ ایں طریقت اندریں خلاف نکنند بجز گروہے از حشویان وایشاں گویند اولیاء فاضل تر از انبیاء اند از آنچہ ایں گروہ می روند آں گروہ رسیدہ اند دیافتہ از آنچہ چوں اولیاء بہ نہایت رسند از مشاہدات خبر دہند۔۔۔۔ وباز رسول را اوّل قدم اندر مشاہدات باشد چوں بدایتِ ایں نہایت وی بود نیز بینی کہ ہمہ طالبانِ حق از اولیاء متفق اند کہ مقامِ جمع از تفاریق کماندے ولایت بود وایں معانی مر انبیاء را بدایت حال باشد کہ اندر روزگار ایشاں تفرقہ صورت بگیرد۔۔۔۔ لاجرم ولایت و بدایت را نہایت است ونبوت را نیست تا بودند نبی بودند و باشند نبی باشند پس مرتبتِ اولیاء را از ادراکِ خلق نہاں است مرتبت انبیاء از تصرف اولیاء نہاں است۔"

محولہ بالا عبارت سے ہر ذی فہم آدمی معلوم کرسکتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ اولیاء کو ولایت کے انتہائی مدارج یعنی ظلّی نبوت کے حصول کی ترغیب دے رہے ہیں نہ کہ انہیں یہ کہہ رہے ہیں کہ ولایت کا انتہائی مقام تمہارے لئے مسدود ہے اس کے حصول کی کوشش نہ کرو۔ اب اگر حضرت داتا گنج بخشؒ کا مقصود یہ ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکے گا تو پھر ولایت اور نبوّت کے درمیان اس عموم و خصوص مطلق کی نسبت قائم کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی وہ صاف کہہ دیتے کہ نبی نبی ہیں اور اولیاء نبی نہیں ہوسکتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"لَا رَسُوْلَ بَعْدَہٗ وَلَا نَبِیَّ
اِلَّا الَّذِیْ رُبِّیَ مِنْ فَیْضِہٖ
وَاَظْہَرَہٗ وَعْدُہٗ"

نیز فرماتے ہیں:-

اَنَا خَاتَمُ الْاَوْلِیَاءِ کَمَا
اَنَّ سَیِّدِیْ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ

یعنی نبوّت اور ولایت کی آپس میں ایک گہری نسبت ہے اور ولایت کے کمالات کا انتہا ظلّی و بروزی نبوّت ہے۔ سیّدنا حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء ہیں اُن کی وساطت اور پیروی کے بغیر کوئی نبوّت کا مقام حاصل نہیں کرسکتا۔ اور حضرت مہدی و مسیح موعود علیہ السلام خاتم الاولیاء ہیں ان کی پیروی کے بغیر حصولِ کمال ولایت ناممکن ہے

والسلام

حافظ ڈاکٹر محمد اسحٰق خلیل زیورچ سوئٹزرلینڈ

بقیہ صفحہ ۲۸

کہ عربی زبان تمام زبانوں کی ماں ہے۔ اور حدیث نبویؐ میں بھی یہ اشارہ موجود تھا لیکن یہ مکمل علم جو ایک مستقل سائنس کا درجہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر منکشف کیا اور آپؑ نے اس بارے میں تمام دنیا کو چیلنج دیا جو اوپر درج ہو چکا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

ہمارے متقدمین بڑے محتاط تھے اور اس زمانے میں اُن کے پاس وہ مواد السنہ کے بارے میں موجود بھی نہ تھا جس سے حتماً اور قطع و یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جا سکتا اور اس کے ثبوت میں ناقابلِ تردید دلائل دُنیا کی تمام زبانوں کو مدنظر رکھ کر دیئے جا سکتے۔

اس زمانے میں مادی دُنیا کے اندر سینکڑوں نئے علوم اور ایجادات دریافت ہوئیں۔ حسب پیشگوئی:۔ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا۔ اور جب دُنیا میں موازنۃ السنہ وغیرہ کا غلغلہ ہوا تو رُوحانی دُنیا میں بھی انکشافات ہوئے۔ از انجملہ قرآن حکیم کی مندرجہ بالا صداقت آفتاب نصف النہار کی طرح دُنیا کے سامنے آگئی تاکہ اسلام کی حقانیت، توحید باری اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے متعلق ایک اور رنگ میں بھی اس علمی زمانے کے لحاظ سے اتمام حجت ہو سکے۔

اپنے وقت پر اور ضرورتِ زمانہ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس قرآنی صداقت کو اپنے ایک بندے یعنی حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر مع دلائل و براہین منکشف کر دیا۔ وقال اللہ تعالیٰ:۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۚ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ٥

الفرقان کے پچبالہ معاونین کی نئی فہرست

کوئٹہ

- الحاج خلیفہ عبد الرحمٰن صاحب
- میاں بشیر احمد صاحب ایم اے
- حاجی فیض الحق خان صاحب
- خان محمد رشید خانصاحب S.D.O
- خان ضیاء الحق خان صاحب
- عبد الرشید عبد المنان صاحبان
- مرزا منور بیگ صاحب
- میجر ایم سلیم احمد صاحب ناصر

حیدر آباد

- چوہدری نعمت اللہ خانصاحب
- چوہدری عبد الغفور صاحب S.D.O
- این۔ اے تالپور صاحب
- چوہدری عزیز احمد صاحب امیر ضلع۔
- کیپٹن ڈاکٹر عبد السلام خان صاحب

گجرات

- سید مصدق احمد شاہ صاحب باسکو
- سید اظہر حسین شاہ صاحب ٹبہ بوٹے شاہ۔

کراچی

- چوہدری عطاء اللہ صاحب
- کیپٹن سید افتخار حسین شاہ صاحب

بلوچستان

- مرزا مقصود احمد صاحب خضدار
- چوہدری نثار احمد صاحب ایکسین قلات

شیخوپورہ

- چوہدری محمد طفیل صاحب پٹواری نہر چک ۱۵۰ اگ۔ بتھو والہ

پشاور

- محترمہ بیگم صاحبہ ونگ کمانڈر ایس۔ ایم لطیف صاحب بڈابیر

"سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری

جن کی خطابت نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا"

[مندرجہ بالا عنوان کے ماتحت ذیل کا مقالہ روزنامہ نوائے وقت لاہور میں شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے تاریخی حقائق کا بیان ہے اسلئے ہم اسے حرف بحرف نقل کرتے ہیں۔ اس مقالہ میں سوچنے والوں کے لئے بہت سے عبرت کے سامان بھی ہیں ——— (ایڈیٹر)]

" نوائے وقت ہفتہ گیارہ اگست کی اشاعت میں یادِ رفتگاں کے عنوان کے تحت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کے فنِّ خطابت اور کارہائے نمایاں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس بارہ میں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اس قسم کی تحریریں نظریۂ پاکستان کے مقاصد کے سخت منافی ہیں۔

مضمون نگار نے سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کے اوصاف بیان کرنے میں نہایت ہی مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ ہمیں اس سے بھی کوئی غرض نہیں۔ البتہ انہیں عطاء اللہ شاہ بخاری میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیاداری کی جو جھلک نظر آئی ہے وہ سخت قابلِ اعتراض ہے۔ کیا ہندو کانگرس کا کوئی ایجنٹ اور متحدہ قومیت کا پرچارک متحدہ ہندوستان کی صورت میں مسلمانوں کو ہندو اکثریت کا غلام بنانے کی سازش میں شریک ہو کر بھی حیادار ہو سکتا ہے؟ اور پھر میدانِ جنگ میں گئے بغیر عطاء اللہ شاہ بخاری میں خالد کی سی جرأت کی جھلک کسی اندھے مقلد کو ہی نظر آ سکتی ہے۔ پھر مضمون نگار کو عطاء اللہ شاہ بخاری میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فہم و ادراک کا فلسفہ غالب آجاتا ہے تو مضمون نگار اور ہم سب مسلمان متحدہ ہندوستان میں گھسیاروں کی سی زندگی بسر کر رہے ہوتے۔

مضمون نگار غالباً سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی سحر بیانی کے افیونی اثرات سے ابھی تک نہیں نکل سکے ہیں اور پاکستان کی صورت میں مسلمانوں کے لئے آزادی کی فضا انہیں نامرغوب ہے۔ مضمون نگار کو عطاء اللہ شاہ بخاری میں شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا جلال بھی جھلکتا نظر آیا ہے۔ اِس بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کی سربلندی کے لئے سر پر کفن باندھ کر جامِ شہادت نوش کیا۔ عطاء اللہ شاہ بخاری نے تقسیم ہند کے وقت ہندوستان کے مسلمانوں کے قتلِ عام کو رُکوانے کی بجائے ہندوستان سے فرار اختیار کیا اور پاکستان میں آکر پناہ لی۔ عطاء اللہ شاہ بخاری البتہ ایک چرب زبان تھے اُن کی زبان میں سامعین پر رقّت طاری کرنے کی بلا کی صلاحیت تھی اور وہ اسکی قیمت وصول کرنا جانتے تھے۔

تاریخ اِس امر کی شاہد ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور اس قسم کے دوسرے لوگ مثلاً ابوالکلام آزاد اور حسین احمد مدنی صدر جمعیت علماء ہند اپنے دور میں فنِ خطابت کے امام تھے۔ ہندو کانگرس نے انکے فنِ خطابت ہی کی وجہ سے انکو بھاری قیمت کے عوض خرید رکھا تھا۔ متحدہ ہندوستان میں جب کانگرس نے رابطۂ عوام کی ہمہ گیر مہم شروع کی تو سادہ لوح مسلمانوں کو اسلام کے نام پر بے وقوف بنانے کے لئے اِنہیں حضرات کے فنِ خطابت کا استعمال کیا ہے مسلمان سادہ لوح تھا اِن جادو بیان حضرات نے کافی عرصہ اپنے فسوں سے مسلمانوں کو بے ہوش رکھا اور پھر طرہ یہ کہ اِن حضرات نے نہایت ہی عالمانہ انداز میں ہندو کانگرس کے متحدہ قومیت کے نظریّہ کو نہایت عیّاری سے اسلامی رنگ دیکر مسلمانوں کو خوب بیوقوف بنایا اور اپنے کانگریسی آقاؤں سے خوب روپہلی داد وصول کی مگر یہ طلسم کب تک چل سکتا تھا قائدِ اعظمؒ نے جب مطالبۂ پاکستان اور دو قوموں کا نظریہ پیش کیا تو مسلمان چونکہ اُٹھا اور قائدِ اعظمؒ کی آواز اس کے دل میں اُتر گئی کیونکہ قائدِ اعظمؒ کی آواز اسلام اور قرآن کی آواز تھی۔ ہندو کانگرس کے اِن نقارچیوں نے بڑی شدّ و مد کے ساتھ مطالبۂ پاکستان اور دو قومی نظریّہ کو غیر اسلامی اور قرآن کے احکامات کے خلاف قرار دینے کے لئے اپنے حُسنِ خطابت کے زور پہ مسلسل طوفانِ بدتمیزی پیدا کئے رکھا اور جہاں تک سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کے حسنِ خطابت کے محور کا تعلق ہے وہ تو حضرت قائدِ اعظمؒ کی ذاتِ گرامی پر نہایت ہی اوچھے غلیظ اور بازاری قسم کے حملوں تک محدود تھا اور شائستگی کی قدروں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ کے متعلق من گھڑت قصے سُنانا اُن کا معمول تھا۔

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کی خطابت کو کسی سیاسی بھانڈ اور کانگریسی آلہ کار ہی کی خطابت کہا جا سکتا ہے۔ اِس امر سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ انکی خطابت نے مجموعی طور پر مسلمانوں کو بے حد نقصان پہنچایا۔ اگر یہ حضرات صاحبِ ایمان ہوتے اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم سے وابستہ ہوتے تو ہندوستان کی تقسیم مسلمانوں کے حق میں بہت بہتر صورت میں عمل میں آ سکتی تھی۔ ہندو کانگرس اور گاندھی جی درجۂ نو آبادیات سے آگے ہرگز نہیں بڑھنا چاہتے تھے، وہ تو انگریز کی توپوں کے سایہ میں رام راجیہ قائم کرنے کے متمنی تھے اور دوسری طرف وہ قائدِ اعظم اور مسلم لیگ کو برطانوی سامراج ایجنٹ قرار دیتے تھے حالانکہ مسلم لیگ مکمل آزادی کی علمبردار تھی اور آزادی کے بعد انگریز سے کوئی سروکار نہ رکھنا چاہتی تھی۔ ہندو کانگرس کے نقارچی علماء دن رات قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ کو برطانوی سامراج کا ایجنٹ ثابت کرنے میں لگے رہتے تھے اور ان نام نہاد علماء نے صرف قائدِ اعظم کی ذات کو ہی تضحیک کا نشانہ بنایا ہوا تھا کیونکہ قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ ہی تحریکِ پاکستان اور مسلمانانِ ہند کی تمناؤں اور آرزوؤں کے محور تھے۔

ایک مرتبہ لاہور کے کسی گھٹیا قسم کے کانگریس کے ہمنوا احراری روزنامہ میں ایک خبر چھپی جس کا عنوان تھا "مسٹر جناح برطانوی سامراج کے ایجنٹ بن گئے"۔ ان دنوں قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ لاہور میں ممدوٹ وِلا میں قیام پذیر تھے۔ قائدِ اعظم علیہ الرحمۃ کے لاہور میں قیام کے دوران معمول یہ ہوتا تھا کہ ہم شمع کے پروانوں کی طرح تمام دن ممدوٹ وِلا ہی میں گزارتے تھے۔ شام کا

وقت تھا اور مختلف کالجوں کے طلبا ہال میں سیاسی صورتِ حال پر تبادلۂ خیالات کر رہے تھے اچانک کیا دیکھا کہ قائداعظم علیہ الرحمۃ نہایت شفقت بھری نگاہوں اور مسکراہٹ کے ساتھ ہماری جانب چلے آ رہے ہیں۔ قائداعظم علیہ الرحمۃ کے آنے پر تمام لوگ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ قائداعظم جب کرسی پر بیٹھ گئے تو نوجوانوں کے چہروں پر خوشی اور محبت کے جذبات کا طوفان اُمڈ کر چہروں کو سُرخ کئے ہوئے تھا۔ قائداعظم اس وقت ہلکی پھلکی گفتگو کے موڈ میں تھے اور پوچھا کہ آج کی کیا خاص خبر ہے؟ اس پر ایک نوجوان نے کہا کہ جناب والا آج ایک مقامی اخبار میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ مسٹر جناح برطانوی سامراج کے ایجنٹ ہیں قائداعظم علیہ الرحمۃ کی مسکراہٹ سنجیدگی میں بدل گئی۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ کسی احراری اخبار کی خبر ہو گی۔ نوجوان نے جواب دیا کہ "جی ہاں"۔ قائداعظم نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی کا ایجنٹ بنتا ہے تو وہ شہرت کی خاطر یا روپیہ حاصل کرنے کیلئے ہو سکتا ہے۔ جہانتک شہرت کا تعلق ہے وہ مجھے کافی حاصل ہے اور جہانتک روپیہ کا تعلق ہے میں پوری احرار کی جماعت کو خرید سکتا ہوں۔ یہ واقعہ بیان کر کے میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ قائداعظم ان منافقین کی سرگرمیوں سے پورے طور پر باخبر رہتے تھے اور اُن کے آہنی اعصاب پر ان کفن چوروں کی ہرزہ سرائی کا کوئی اثر نہ تھا اور قافلہ میرِ کارواں کی قیادت میں جانبِ منزل رواں دواں رہا۔

اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ جمعیت العلمائے ہند، مجلس احرار اور یونینسٹ پارٹی کے گٹھ جوڑ نے ہمارے قومی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی جو ناپاک سازش مرتب کی تھی وہ خضر حیات ٹوانہ اور کانگرس کی کولیشن حکومت کی صورت میں منظرِ عام پر آ گئی اور ان دشمنانِ اسلام نے پنجاب کے مسلم اکثریتی صوبہ میں پاکستان کے مخالفین کا تسلط قائم کر دیا اور ابو الکلام آزاد بہ نفسِ نفیس اس کام کی تکمیل کے لئے لاہور میں عرصہ دراز مقیم رہے تاکہ پاکستان کے حصول کے مقصد کو ضرب کاری لگائی جا سکے۔ اس شرمناک فعل میں عطاء اللہ شاہ بخاری کی شخصیت منفرد ہے۔ چونکہ عوام کو گمراہی کے راستے پر ڈالنے کے لئے ان کی خطابت سب سے بڑا ہتھیار تھا، ان کے پُر فریب نام نہاد دردیشی بہروپ کو بھی بھولے بھالے عوام کے لئے دامِ ہمرنگ بچھانے میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ ان کا لقب امیر شریعت تھا اور وہ شریعت کی حکومت نافذ کرنا چاہتے تھے۔ احمقوں کے گروہ میں سے انکو یہ کوئی نہ پُوچھ سکا کہ حضرت آپ مطالبہ پاکستان اور دو قومی نظریہ کی مخالفت تو کرتے ہیں کیا آپ گاندھی، نہرو اور پٹیل کی وساطت سے متحدہ ہندوستان میں شریعت کی حکومت نافذ کرانا چاہتے ہیں اور کیا اسلام کا بول بالا کرنے کا یہی طریقہ ہے؟

اور اب ان مضامین کی صورت میں ان کی رُوح کئی بار ہمارے سروں پر منڈلانا شروع کر دیتی ہے یقیناً ان کی روح ان کے دوسرے نیشنلسٹ رفقاء کی روحوں کے ہمراہ اپنے دائرۂ عمل میں پاکستان کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی غرض سے متحدہ قومیت کا سبق دُہرانے میں مصروفِ عمل ہو گی اور اسی وجہ سے حالیہ مشرقی پاکستان کا المیہ اس سبق کو قبول کرنے کی سزا ہے۔ نظریۂ پاکستان سے انحراف اللہ کی طرف سے ایک انتباہ ہے کہ ہم متحدہ قومیت کے نظریہ کے زہر کو مزید اپنے جسم میں داخل نہ ہونے دیں ورنہ ہمارا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ ہمیں حقیقت پسندانہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہوئے عطاء اللہ شاہ بخاری کی فریبکارانہ خطابت اور انکا اسلامی نظام کے علمبردار کے طور پر ذکر بند کر دینا چاہیئے۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۹ / ۲ / ۱۹۷۱ء)

سفرِ کوئٹہ اور شکریہ احباب

بحالیٔ صحت کے سلسلہ میں اخویم محترم جناب الحاج شیخ محمد حنیف صاحب امیر جماعتہائے بلوچستان کی دعوت پر خاکسار مع اہلیہ محترمہ کوئٹہ گیا۔ ہم ۱۷ اگست کی شام کو ربوہ سے لاہور پہنچے۔ عزیزم مکرم ملک عبداللطیف صاحب ستکوہی نے حسبِ عادت مہمان نوازی کے فرائض ادا کئے۔ ۱۸ اگست کو بذریعہ ہوائی جہاز چھ بجے صبح روانہ ہوکر ۹ بجے کوئٹہ پہنچ گئے۔ ایرپورٹ پر محترم شیخ صاحب، اخویم مکرم خان عیسیٰ جان صاحب، محترم الحاج خلیفہ عبدالرحمٰن صاحب اور دوسرے احباب موجود تھے۔

ابتدائی ہفتہ میں جناب عیسیٰ جان صاحب کے مکان کا ایک حصہ ہماری قیامگاہ تھی جہاں پر ہم سے احمدیت کی اخلاص سے بھری ہوئی محبت کا سلوک ہوتا رہا ——

پھر ایک ہفتہ کے لئے جناب خان محمد رشید احمد خان صاحب ایس ڈی او کے اصرار پر جناب امیر صاحب نے ہمیں ان کی کوٹھی کے ایک حصہ میں قیام کی اجازت فرمائی۔ بعد ازاں جناب امیر صاحب کے اپنے مکان پر ہمارے قیام کا پروگرام تھا مگر جناب محمد رشید خان صاحب نے ایسا محبت آمیز زوردار اصرار کیا کہ خود جناب امیر صاحب اور ان کے بھائی جناب شیخ محمد اقبال صاحب زبردست خواہش کے باوجود ہمیں قیام کے لئے اپنے ہاں نہ لیجا سکے۔ آخر ہم ۸ ستمبر کو اسی قیامگاہ سے واپسی کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمیں اس جگہ بھی سب اہلِ خانہ کی طرف سے ناقابلِ فراموش سلوک حاصل ہوا۔ یہ احباب کوئٹہ کے خلوص و محبت کا ایک پہلو ہے۔ لجنہ اماء اللہ کی طرف سے میری اہلیہ صاحبہ کو پارٹی بھی مستورات کے خلوص کا نتیجہ تھی۔ جزاہن اللہ

میں نے کوئٹہ پہنچتے ہی وضاحت کر دی تھی کہ میں بیماری کے بعد کمزوری کی حالت میں آرام کرنے کے لئے آیا ہوں اسلئے تقریروں وغیرہ سے مجھے معذور سمجھا جائے۔ احباب نے بھی ابتداءً اس سے اتفاق کیا مگر اسکی پابندی نہ ہو سکی قریباً روزانہ ہی کچھ نہ کچھ بیان کرنا پڑتا تھا۔ ایک دو روز گزرنے پر خود مجھے بھی احساس ہوا کہ ان دینی بیانات کے نتیجہ میں مجھے تقویت حاصل ہو رہی ہے۔ جناب امیر صاحب کے کہنے پر سارے جمعے میں نے پڑھائے۔ مجلس انصار اللہ کوئٹہ کے سالانہ اجتماع میں مرکزی نمائندہ کے طور پر شریک ہوا۔ جناب میاں بشیر احمد صاحب ایم اے ناظم علاقائی کی تجویز کے مطابق مرکز کے مقرر کردہ ہفتہ اصلاح و ارشاد میں بھی حصہ لیا کافی تقاریر کرنی پڑیں۔ انفرادی طور پر جماعت کے قریباً ہر فرد سے ملنے کا موقعہ ملا۔ لجنہ اماء اللہ کے اجلاس میں بھی ایک خطاب کیا۔ اس ذہنی کوفت کے ازالہ کے لئے احبابِ جماعت تفریحی تقریبات بھی پیدا کرتے رہے۔ دوستوں کی دعوتوں کا بھی لمبا سلسلہ شروع ہو گیا۔ الغرض یہ دن بڑی محبت اور مسرت سے گزرے۔ اسی دوران مکرم چودھری منیر احمد صاحب فرخ کے زیرِ اہتمام دس بارہ احباب کی معیت میں ایک دن کے لئے زیارت کے مقام پر بھی گئے نہایت صحت افزا مقام ہے۔ آٹھ ہزار فٹ سے بھی زیادہ بلندی پر واقع ہے اسی جگہ وہ شاندار بنگلہ بھی ہے جہاں جناب قائدِ اعظم

مرحوم کی وفات ہوئی تھی۔ اسے بھی اندر و باہر سے دیکھا۔

قلات کا شہر کوئٹہ سے سو میل کے قریب ہے۔ وہاں کے احباب کی بھی خواہش تھی کہ قلات بھی جائیں چنانچہ دو دن کے لئے ہم جناب خان محمد عیسیٰ جان صاحب اور جناب مولوی عبدالرشید صاحب ارشد مربی سلسلہ کی معیت میں محترم جناب چودھری نثار احمد صاحب (XEN) کی کار میں قلات پہنچے اور دو دن محترم جناب مرزا مقصود احمد صاحب (S.E) کے بنگلہ پر گزارے۔ قلات چھوٹا اور پرسکون شہر ہے۔ خان قلات کی وجہ سے یہ شہر سینما وغیرہ کی لغویات سے محفوظ ہے۔ مہاجرین کی ایک خاصی تعداد یہاں آباد ہے۔ ہندو شہر کی تجارت پر پورے طور پر قابض ہیں۔ نہایت مختصر وقت میں سارا شہر دیکھا جا سکتا ہے۔ وہاں کھانے کی دعوت کے موقعہ پر مکرم ماسٹر عبدالحلیم صاحب نے یہ دلچسپ واقعہ سنایا کہ ۱۹۵۳ء کے فسادات کے موقعہ پر سمندری لائلپور سے دو مولوی بھاگ کر آئے اور وہ کئی بڑے لوگوں کے پاس پناہ کے لئے گئے کیونکہ مارشل لاء کی طرف سے انکے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے تھے مگر کسی نے انکو پناہ نہ دی آخر وہ ماسٹر صاحب کے پاس آئے انہوں نے انہیں اپنے مکان پر ٹھہرایا اور خوب خاطر مدارات کی۔ رات کو انہوں نے احمدیت کے خلاف بھی باتیں کیں ماسٹر صاحب خاموشی سے سنتے رہے۔ دوسرے روز ان مولویوں نے لوگوں سے ذکر کیا کہ ہمیں تو ماسٹر صاحب نے پناہ دی ہے جبکہ باقی مسلمان علماء اور امراء ہمیں پناہ دینے سے ڈر گئے۔ لوگوں نے ان مولویوں کو بتایا کہ ماسٹر صاحب تو قادیانی ہیں۔ مولوی صاحبان بہت شرمسار تھے اور رات کے کھانے پر ماسٹر صاحب سے جھینپتے ہوئے کہا کہ ہم نے بڑی زیادتی کی ہے مگر آپ نے نہایت اعلیٰ اخلاق کا ثبوت دیا۔ اگلے روز انہوں نے مسجد میں اعلان کیا کہ اس شہر میں فلاں ماسٹر صاحب ہی حقیقی مسلمان ہیں۔ اس پر عوام ان کے مخالف ہو گئے۔ ہنگامہ کے خطرہ کے پیش نظر انہیں قید کر دیا گیا۔ پھر ماسٹر صاحب نے انہیں چھڑایا اور وہ مولوی صاحبان آزاد علاقے کی طرف چلے گئے۔

مجلس انصار اللہ حیدر آباد کا سالانہ اجتماع ۱۱، ۱۲ ستمبر کو مقرر ہوا اس میں شمولیت کے لئے اطلاع آئی تھی اسلئے ۸ ستمبر کو دو روز کے لئے کراچی روانہ ہوئے۔ سٹیشن کوئٹہ پر احباب کے جم غفیر نے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ جزاھم اللہ۔

کراچی میں حسن اتفاق سے خدام الاحمدیہ کا سالانہ اجتماع ہو رہا تھا اس میں درس حدیث دینے کا موقعہ ملا۔ پھر دو روز حیدر آباد کے انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ کے مشترکہ اجتماع میں بھرپور شمولیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ۱۳ ستمبر کو بخیریت ربوہ پہنچ گئے ۔۔۔ والحمد للہ رب العلمین۔ ہر جگہ پر احباب نے ایمانی اخوت اور اسلامی محبت کا مؤثر نمونہ پیش فرمایا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے فضلوں سے نوازتا رہے۔ اللّٰھم آمین۔

خاکسار ابو العطاء جالندھری

الفرقان کے وی۔پی

فیصلہ کیا گیا ہے کہ صرف مجبوری کی حالت میں وی۔پی کئے جائیں اسلئے احباب چندہ بذریعہ منی آرڈر وغیرہ بھجوا دیا کریں اور اگر مجبوراً وی۔پی کیا جائے تو اسے ضرور وصول فرما لیا کریں۔ (مینجر)

(طابع و ناشر:۔ ابو العطاء جالندھری ٭ مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ ٭ مقام اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ الفرقان ربوہ)

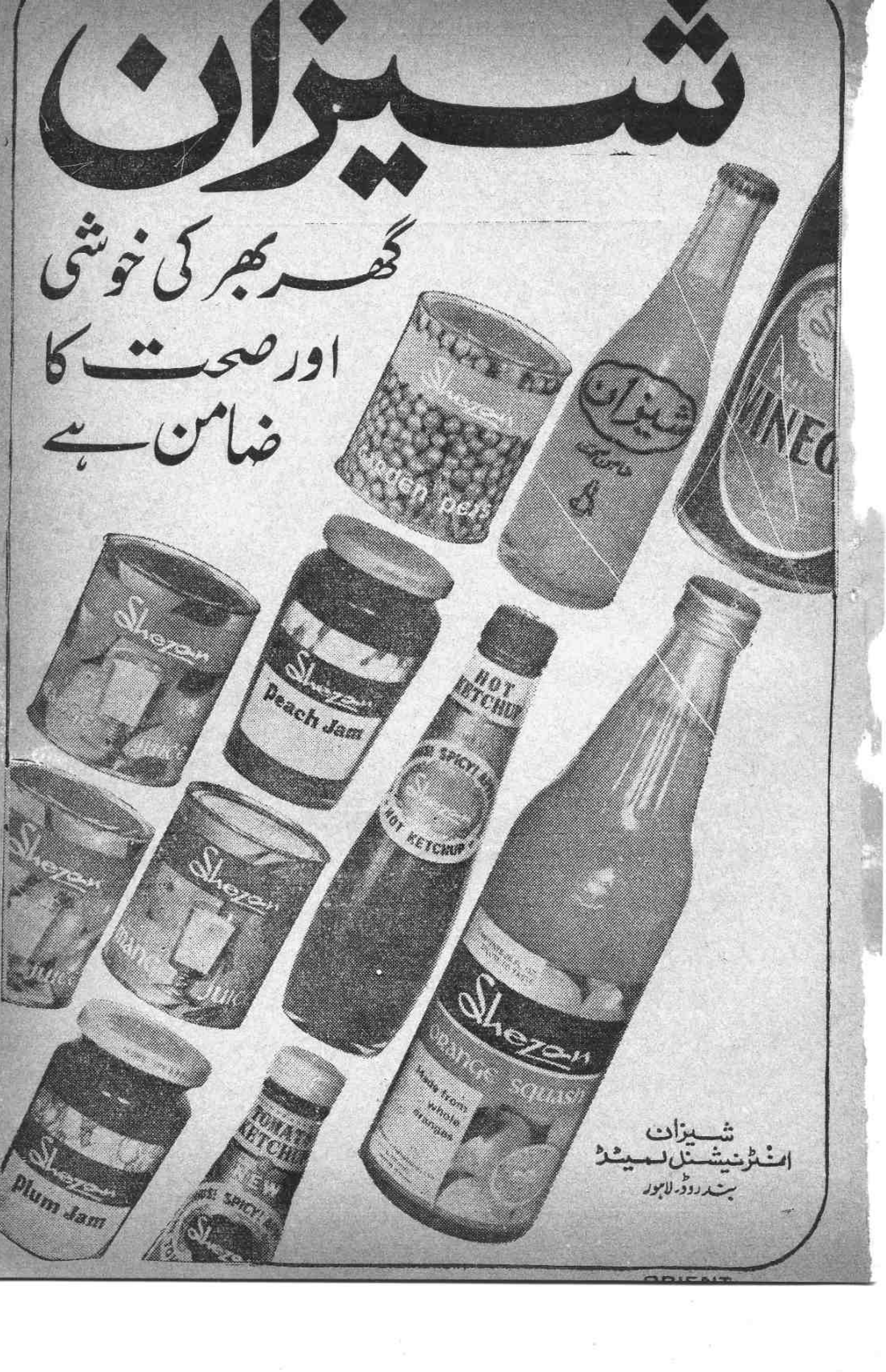
شیزان
گھر بھر کی خوشی
اور صحت کا
ضامن ہے
Peach Jam
HOT KETCHUP
HOT KETCHUP
Shezan
Plum Jam
شیزان
انٹرنیشنل لمیٹڈ
بند روڈ۔ لاہور

Monthly ALFURQAN Rabwah

September 1971 Regd. No. L 5708

ماہنامہ "الفرقان" اور احباب کا فرض

● حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ کا ارشاد :-

"میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ تیس ۳۰ چالیس ۴۰ ہزار بلکہ ایک لاکھ تک چھپنا چاہیئے اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیئے۔" (الفضل ۵ جنوری ۱۹۵۶ء)

● حضرت میرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

"رسالہ الفرقان بہت عمدہ اور قابلِ قدر رسالہ ہے اور اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت زیادہ سے زیادہ وسیع ہو کیونکہ اس میں تحقیقی اور علمی مضامین چھپتے ہیں اور قرآن کے محاسن پر بہت عمدہ طریق پر بحث کی جاتی ہے۔ ایک طرح سے یہ رسالہ اُس غرض و غایت کو پُورا کر رہا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مدنظر رسالہ ریویو آف ریلیجز اُردو ایڈیشن کے جاری کرنے میں تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی یہ خواہش بڑی گہری اور خدا کی پیدا کردہ آرزو پر مبنی ہے کہ اگر ایسے رسالہ کی اشاعت ایک لاکھ بھی ہو تو پھر بھی دُنیا کی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے کم ہے۔ پس مخیر اور مستطیع احمدی اصحاب کو یہ رسالہ نہ صرف زیادہ سے زیادہ تعداد میں خود خریدنا چاہیئے بلکہ اپنی طرف سے نیک دل اور سچائی کی تڑپ رکھنے والے غیر احمدی اور غیر مُسلم اصحاب کے نام بھی جاری کرانا چاہیئے تا اس رسالہ کی غرض و غایت بصورت احسن پُوری ہو اور اسلام کا آفتاب عالمتاب اپنی پُوری شان کے ساتھ ساری دُنیا کو اپنے نُور سے منوّر کرے۔ (خاکسار مرزا بشیر احمد ربوہ ۵۹-۶-۱۱)"

(الفضل ۱۰ جولائی ۱۹۵۹ء)

رسالہ کا سالانہ چندہ چھ روپے ہے!

مینجر الفرقان ربوہ

Only Title printed at the Nusrat Art Press, Rabwah.